بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم الایمان

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر:١٧)

اور بیشک ہم نے قرآن کو آسان کر دیا نصیحت کیلئے، پس کوئی ہے نصیحت لینے والا۔

قرآنی آیات سے نصیحت

مرتب

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مفتی محمد شعیب مظاہری، مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

مفتی محمد عبدالمعبود قاسمی

ناشر

عظیم بک ڈپو، نزد جامع مسجد دیوبند، یوپی (انڈیا)

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ قرآنی آیات سے نصیحت

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی (ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی:۔ ☆ مفتی محمد شعیب مظاہری (ابوظہبی) 9640213661

☆ مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی (حیدرآباد) 9963770669

☆ مفتی محمد عبدالمعبود قاسمی (بھوپال) 9893265130

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۳ء مطابق ۱۴۴۴ھ

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس، حیدرآباد، تلنگانہ۔

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ 09997177817

☆☆☆☆☆

اس کتاب کے علاوہ ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھیے اور ایمان بالکتب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرۃ، ایمان بالقدر (تقدیر) پر شعوری اور عقلی اعتبار سے ایمان پیدا کرنے کیلئے "ایمانِ مفصل کو سمجھانے کا طریقہ" پڑھیے، اس کے علاوہ اولاد کو مسلمان بنانے اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے باشعور بنانے والی دونوں کتابیں ضرور پڑھیے اور اپنے خاندان میں تحفہ دے کر دعوتِ دین کا حق ادا کیجئے۔

عظیم بکڈپو دیوبند یوپی سے نصف قیمت پر کتابیں حاصل کر سکتے ہیں۔

اور ہدیتاً کتاب لینے کے لئے ربط کریں۔ 9966992308

فہرست ◎◎◎◎ ''قرآنی آیات سے نصیحت''

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے	4
2	تخلیقِ آدمؑ سے ملنے والا سبق	15
3	اطاعت و نافرمانی کے ذریعہ نامکمل دینداری	36
4	اہل کتاب ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے اور کہتے ہیں	51
5	ایمان والے کو سب سے زیادہ اللہ سے محبت ہوتی ہے	62
6	غزوۂ احد سے ملنے والا سبق	75
7	ہابیل اور قابیل کی زندگی سے ملنے والا سبق	101
8	قوم لوط کی بدکاری سے ملنے والا سبق	114
9	اہل مدین کی بداعمالیوں سے ملنے والا سبق	122
10	رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہنے کی حکمت	128
11	اسکارف پہن کر چہرہ کھلا رکھنا مکمل پردہ نہیں ہے	143
12	قرآن کو صرف بوسہ دینے اور آنکھوں کو لگانے سے ہدایت نہیں ملتی	155
13	ہر نفس کو اپنی محنت کا مزہ چکھنا ہے	167
14	حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی سے ملنے والا سبق	175

☆☆☆☆☆

ایمان، خوف اور امید کے درمیان ہے

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ٥ (الفاتحہ: ۳، ۴)

ترجمہ: اللہ بے انتہاء مہربان اور نہایت رحم کرنے والا، قیامت کے دن کا مالک ہے۔

ایمان دراصل خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، سورۂ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو بار بار پڑھوا کر اسی کا احساس بندہ کو دلایا جارہا ہے، اللہ اپنی دو صفات الرحمٰن الرحیم کے ذریعہ اپنی رحمت کو ظاہر کر کے یہ تعلیم دے رہا ہے کہ اے میرے بندو! میں بے انتہاء مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہوں، اور پھر اس کے ساتھ ہی فوراً بعد مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ذریعہ اپنی صفت الحسیب کی تعلیم دے کر یہ بھی تاکید کر رہا ہے کہ میں تمہاری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کا آخرت میں حساب لینے والا بھی ہوں۔

عام طور پر واعظین اور نصیحت کرنے والے زیادہ تر گناہوں پر ناامید نہ ہونے اور توبہ کی تلقین کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا احساس دلاتے ہیں، مگر اللہ کی پکڑ اور حساب لینے کو یاد نہیں دلاتے کہ وہ زبردست اور مکمل حساب بھی لینے والا ہے۔

بظاہر ان دونوں آیات میں دو الگ الگ باتیں بیان کی گئی ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور دوسرے حساب لینے کا اعلان، اس سے تلاوت کرنے والے زیادہ تر رحمت ہی کا احساس پیدا کر لیتے ہیں، اس کے دوسرے حصے سے غافل بنے رہتے ہیں، اور گناہ کرنے میں نڈر بنے رہتے ہیں، ان کی نظر ان دونوں آیات کے ربط و تعلق کو نہیں سمجھتی اور وہ آخرت کو بھولے رہتے ہیں، مگر ان دونوں آیات میں خاص تعلق اور جوڑ ہے، اُسے ایمان والے ذہن میں بیٹھا کر سمجھنا اور اسی عقیدہ کے تحت زندگی گذارنا ضروری ہے، تب ہی وہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں ہر لمحہ ہر گھڑی آخرت کی جوابدہی کی فکر کے ساتھ کامیاب زندگی گذار سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب دنیا کی زندگی کو امتحان و آزمائش کی جگہ بنایا ہے اور انسان کو خلیفۃ

الارض بنا کر، اپنی عبدیت و بندگی کرنے اور نہ کرنے کی آزادی و اختیار دیا ہے، اور دنیا کی بہت ساری نعمتیں استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے، عقل دیا، ضمیر دیا، جسمانی اعضاء، وقت کی شکل میں عمر کی مہلت دی ہے، خیر اور شر کی تمیز دی، علم نازل کیا، پیغمبر کے ذریعہ رہنمائی کی، نیکی اور بدی کے دو راستے رکھے، توحید، شرک اور منافقت کو اختیار کرنے کی آزادی دے رکھی ہے، شیطان کو بھی بھٹکانے کی اجازت دی ہے، غرض شکر گذار بننے یا ناشکرا بننے کا اختیار دیا ہے، تو وہ ضرور انسان اور جنات کے مرنے کے بعد قیامت قائم کر کے ان کی زندگیوں کا حساب لے گا، اسی کو یاد رکھوانے کے لئے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کو بار بار پڑھوا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانی بادشاہوں کی طرح نہیں ہے کہ ذرا سی نافرمانی اور گناہ کرتے ہی غصہ ہو جائے، غضب میں آجائے اور فوراً گرفتار کر کے سزا یا عذاب دے یا عذاب نازل کر دے، وہ بحیثیت خالق ہونے کے جانتا ہے کہ انسان شیطان سے دھوکہ کھا کر بار بار غلطیاں کر سکتا ہے، دنیا کے ماحول میں شیطان، انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے غضب کی نافرمانی کے اعمال پھیلا رکھا ہے، اسلئے وہ انسان کی غلطیوں اور گناہوں پر اُسے سدھرنے اور سنبھلنے کا موقع اپنی صفات رحمٰن و رحیم کے ذریعہ دیتا رہے گا، اس لئے کہ وہ بڑی رحمت والا، معاف کرنے والا، درگذر کرنے والا مالک ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر چھائی ہوئی ہے، اس جیسا رحم کرنے والا کوئی دوسرا نہیں، وہ صبور ہے، وہ اپنے بندوں پر رحم پر رحم کرنا چاہتا ہے اور وہ توّاب ہے، اس نے انسانوں اور جنوں کو یہ تعلیم دی کہ غلطی اور بھول ہو جانے پر حضرت آدمؑ کی طرح توبہ کر لو، وہ توبہ کرنے والے بندوں کو بہت پسند کرتا ہے، اور انسان کو سکرات کے شروع ہونے سے پہلے تک توبہ کی مہلت دی ہے۔

پھر اس نے انسان کو مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے ذریعہ یہ تاکید بھی کی ہے کہ وہ اپنی رحمت ہی کے تقاضے کے تحت انسانوں کی زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب لے گا، اچھے کو اچھائی کا بدلہ دینا اور برے کو برائی پر سزا دینا یہ اس کا عین عدل و انصاف ہے، اس نے قرآن مجید میں کھلے طور پر یہ تعلیم دی ہے، فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥ جس طرح وہ اپنی رحمت کو ہر چیز پر غالب کیا ہے اسی طرح وہ جنات و انسان کی

زندگی کے چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر اجر اور چھوٹے چھوٹے گناہوں پر سزا دے گا۔

وہ گویا الرحمٰن الرحیم اور مالک یوم الدین کو بار بار پڑھوا کر یہ تعلیم دے رہا ہے کہ دنیا کے اس امتحان میں اللہ سے بے خوف رہ کر زندگی نہ گذارو اور نہ اس کی رحمت کا غلط تصور قائم کرو، وہ رب ہونے کے ناطے تم پر رحم بھی کرے گا، انعام بھی دے گا اور سزا بھی دے سکتا ہے، اگر وہ قیامت کے دن انصاف قائم نہ کرے تو پھر یہ دنیا انسان کے لئے بے مقصد ہو جائے گی، اگر نیکی کرنے والے کو کوئی فائدہ نہ ہوگا اور گناہ کرنے ولے کو کوئی سزا نہ ملے گی تو دنیا کا وجود ہی بے مقصد ہو جائے گا اور کوئی بھی نیکی کرنے کو بے فائدہ سمجھے اور گناہ کرنے سے نہیں ڈرے گا۔

انسان کے لئے صحیح ایمان وہ ہے جو امید اور خوف کے درمیان ہو، ایک طرف اللہ تعالیٰ سے رحمت اور معافی کی امید رکھے، دوسری طرف اللہ کے پاس کھڑے ہو کر حساب دینے کا خوف بھی رکھے، اللہ کی رحمت والی صفات سے امید اور محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ جو آقا رحم کرنیوالا، عفوو درگذر اور معاف کرنے والا ہوتا ہے' غلام اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور معافی کی امید بھی رکھتا ہے، اور آقا کا خوف ہو تو ادب و تعظیم' اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی کا جذبہ زندہ رہتا ہے، اگر انسان اللہ کے ساتھ صرف رحم ہی کی امید رکھے اور پکڑ اور جواب دہی کا احساس نہ رکھے تو نڈر بن کر ادب و تعظیم نہیں کرتا اور نافرمانی کر کے بے فکر' غافل اور باغی بنا رہتا ہے، اسی طرح اگر معافی' درگذر اور رحم کا تصور نہ رکھے تو ناامید ہو جاتا ہے، سفارش اور وسیلے تلاش کرتا ہے۔

دنیا کے کاموں میں بھی نوکر کو مالک کے حساب لینے کا احساس نہ رہے تو وہ مالک سے بے خوف ہو کر مالک کی پرواہ نہیں کرتا اور حکم عدولی اور نافرمانی کی راہ پر چلنے لگتا ہے، اس لئے ایمان والوں میں امید بھی ہو اور خوف بھی ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر سارے انسانوں کو قیامت کے دن دوزخ میں جانے اور ایک کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے تو مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ میں رہوں گا، اور اگر سارے انسانوں کو جنت میں جانے کا حکم اور ایک کو دوزخ میں جانے کو کہا جائے تو مجھے اللہ کی پکڑ اور حساب دینے کا ڈر خوف ہے کہ وہ ایک

دوزخ میں جانے والا میں رہوں گا۔

دنیا کی زندگی میں ڈر، خوف اور محبت کی مثال فرمانبردار اور نیک اولاد کے سلوک میں نظر آتی ہے، جو ماں باپ کی تعظیم میں محبت بھی کرتی ہے اور خوف بھی رکھ کرادب و تعظیم کے ساتھ فرمانبرداری کرتی ہے،ان کے حکموں پر دوڑتی اوران کو ناراض کرنا نہیں چاہتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم کے ذریعہ ایک طرف اپنے رحیم ہونے، معاف کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہونے کی تعلیم دے کر انسان کو ناامیدی سے بچانا چاہتا ہے اور دوسری طرف **مالک یوم الدین** کے ذریعہ حساب لینے کا احساس دلا کر اپنی اطاعت و بندگی کروانا چاہتا ہے، جیسے سمجھ دار ماں باپ اولاد سے کہتے ہیں کہ بیٹا ہمیں تم سے بہت پیار ہے،تم ہماری جان ہو،مگر تم ہماری مرضی پر نہیں چلو گے تو ہم تمہیں سزا بھی دیں گے اور گھر سے باہر کردیں گے۔(مثال رہبری کے لئے ہے، برابری کے لئے نہیں)

مگر ہماری تربیت اور اصلاح کی تقاریر میں انسانوں کو گناہ معاف کروانے کے لئے صرف یکطرفہ طور پر اللہ کی رحمت ہی رحمت سمجھائی جاتی ہے،اس کی سخت پکڑ اور سزا کا تصور نہیں دیا جاتا، یہود و نصاریٰ کی نافرمانیوں اور بغاوت پر عذابات اور جہنم کے عذابات کے تذکرے ہی نہیں بیان کئے جاتے، جس کی وجہ سے مسلمان ان سزاؤں کو صرف غیر ایمان والوں ہی کی حد تک خیال کر کے خودنڈر بنے رہتے ہیں، گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں، توبہ پر توبہ کرتے ہیں مگر گناہ نہیں چھوڑتے ،توبہ کر کے اللہ کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

دنیا میں جب ایک انسان کسی دوسرے ملک سفر کرتا ہے تو اس کو یہ احساس رہتا ہے کہ وہ اپنا پاسپورٹ، ویزا اور سامان وہاں کی حکومت کی منشاء کے مطابق رکھے؛ ورنہ اس کی چیکنگ ہوگی تو وہ مشکلات میں پھنس جائے گا، جیل بھیج دیا جائے گا،اس لئے دنیا کے سفر میں انسان بے انتہاء احتیاط کر کے سفر کرتا ہے، اسی طرح انسان آخرت کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر، اس کے احکام پر، پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کی عبدیت و بندگی کرے،اورآخرت میں کامیاب زندگی گذارنے کی فکر کرے، دنیا کی زندگی میں چوروں، مجرموں اور باغیوں کی حیثیت سے سفر نہ کرے۔

دنیا کی اس زندگی میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مالک جب اپنے نوکر، خدمت گذار پر رحم کرنے والا اور مہربان ہوتا ہے تو نوکر اس کے رحم اور مہربانی کا غلط فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی اور منشاء پر نہیں چلتا، اور وہ نوکر اپنے مالک کو نرم اور مہربان جان کر اس کے مال و دولت اور سامان کو اپنی ملکیت نہیں کہتا اور نہ سمجھتا ہے، اور نہ مالک کے مال کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے، نہ مالک کے سر چڑھ کر بیٹھتا ہے، تو ایسا نوکر فرمانبردار کہلاتا ہے، اگر نوکر مالک کے پکارنے پر نہ جائے، کمرے میں سوتا پڑا رہے، ٹیلیفون کرنے پر جواب نہ دے اور بات نہ کرے، اپنے ذاتی کام میں لگا رہے اور مالک کے علاوہ دوسروں کو بھی مالک سمجھے اور مالک کے مال کو اپنی مرضی سے استعمال کرے، تو ایسا نوکر نافرمان اور باغی کہلاتا ہے، ایسے نوکر کو مالک، نوکری سے نکال دے گا اور بے عزت کر دے گا۔

دنیا کے کاروبار میں نوکر اپنے مالک کا فرمانبردار بن کر اس کی مرضی اور حکم پر چلتا ہے، اس لئے کہ اس کو مالک کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنے پر نقصان کا ڈر رہتا ہے، نوکری چلے جانے کا ڈر رہتا ہے۔

مہربان، رحم دل مالک بھی اپنے فرمانبردار غلام اور نوکر پر پوری نگاہ رکھتا ہے، اس کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہوئے اُسے سرکش اور نافرمان بننے نہیں دیتا، اور نہ سر پر بیٹھا کر من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑتا ہے، غلطیوں پر محبت اور نرمی سے سمجھاتا رہتا ہے۔

اس کے رحم اور مہربانی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ نوکر کی خدمت و فرمانبرداری پر اُسے ہر قسم کی اچھی اچھی چیزیں اور سہولتیں، انعام کے طور دیتا ہے، کپڑے بناتا ہے، اس کی گرمی اور سردی کا خیال رکھتا ہے، بیماری پر دواؤں کا انتظام کرتا ہے، اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتا ہے، اس کی ضرورتوں کا پورا خیال رکھتا ہے، نوکر سے غلطی ہو جائے، نافرمانی ہو جائے یا وہ حکم پورا کرنا بھول جائے یا کام میں کوتاہی کرے تو سمجھا کر نظر انداز اور معاف بھی کرتا رہتا ہے، ناراض نہیں ہوتا، سمجھ دار نوکر بھی غلطی ہونے پر مالک کی مرضی جان کر غلطی نہیں کرتا۔

اس کے برعکس سمجھانے اور احساس دلانے کے باوجود نوکر برابر نافرمانیاں کرے یا

بڑی بڑی غلطیاں کرتا رہے اور مالک کو مالک نہ سمجھے، مالک کے بجائے غیر لوگوں کو بھی مالک سمجھے اور مالک کی اطاعت کے خلاف دوسروں کی اطاعت پر دوڑے تو پھر مالک بار بار نافرمانی کا احساس دلا کر نوکری ہی سے نکال دیتا ہے، اگر مالک اپنے نافرمان باغی نوکر کے ساتھ یہ سلوک نہ کرے تو وہ نہ انصاف کرنے والا کہلائے گا اور نہ باغی کو اس کی حرکتوں پر سزا دینے والا کہلائے گا، بلکہ نوکر کو خراب کرنے والا کہلائے گا، مالک کا نوکر کے ساتھ حساب کتاب کا سلوک اس کے انصاف اور رحم ہی کا تقاضا ہوگا، نوکر کے اس طرح کے عمل پر مالک کا ناراض ہو کر یہ سلوک کرنا ظلم نہیں' انصاف کہلائے گا، دنیا کے کاروبار میں نوکر کو منشی یا منیجر بنا کر بٹھائیں تو حساب لینا بھی ضروری ہے، غبن اور چوری کرنے پر سزا دینا ظلم نہیں، کوئی مالک بھی اپنے نوکر کو اختیارات دے کر اپنے مال کا حساب لیتا ہے' اس سے لاپرواہ نہیں رہتا۔

اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کو بے انتہاء مہربان اور نہایت رحم کرنے والا جان کر نڈر نہ بنا رہے اور اس کے رحم کا غلط مطلب نکال کر بغاوت و نافرمانی اور جرائم نہ کرے، اس کے علاوہ دوسروں کو مالک جیسا سمجھے یا مالک نہ سمجھے اور مالک کی اطاعت کے خلاف جان بوجھ کر دوسروں کا فرمانبردار نہ بنا رہے، اس سے نڈر بن کر اس کو حساب نہ لینے اور پکڑ نہ کرنے اور سزا نہ دینے والا نہ سمجھے، اگر کوئی بندہ ایسا سمجھے تو وہ احمق' بیوقوف اور بڑا نا سمجھ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مہربان ہونے اور رحم کرنے والا ہونے کا احساس دلا کر بندہ کو آوارہ اور باغی بنانا نہیں چاہتا، جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو حد سے زیادہ لاڈ اور پیار میں خراب کرتے ہیں؛ بلکہ اپنے بندوں کو مالک یوم الدین کے ذریعہ یہ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہونے کے ناتے معاف ضرور کرے گا، درگذر سے کام ضرور لے گا، اس کی رحمت ہی کی وجہ سے گناہ پر پکڑ نہیں ہو رہی ہے، انسان کو سدھرنے اور سنبھلنے کی مہلت پر مہلت مل رہی ہے، مگر یہ مہلت صرف دنیا کی زندگی کے ختم ہونے تک ہے، پھر وہ مرنے کے بعد اپنے بندوں کی زندگی کا مالک یوم الدین ہونے کے ناتے حساب ضرور لے گا، جانچ ضرور کرے گا، جسے چاہے معاف کر سکتا ہے اور جسے چاہے سزا دے سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی

کو یہ اختیار نہیں ہے، اس جیسا انصاف کرنے والا کوئی نہیں۔

اگر وہ بندوں کی زندگیوں کا حساب نہ لے تو دنیا کی زندگی انسانوں کے لئے بیکار ہو جائے گی، اس کے لئے ساری مخلوقات کا انتظام کرنا بیکار ہو جائے گا، اور یہ بات بیکار و عبث ہو جائے گی، اور انصاف کے تقاضے کے خلاف ہو گی، اس کا مکمل انصاف اور رحم یہ ہے کہ وہ نیک کام کرنے والے بندوں کو نیکی کا اجر دے اور گناہ کرنے والے بندوں کو گناہ کی پوری پوری سزا دے اور اس کا ایک دن مقرر کر کے حساب لے، یہی رحمت کا تقاضا ہے۔

اگر بندے کو جواب دہی' حساب لینے' پکڑ اور سزا کا احساس نہ دلایا جائے تو ہر انسان کبھی نیکی کو اختیار نہیں کرے گا، سارے انسان برائی کو ہی پسند کریں گے، دنیا صرف گناہوں سے بھر جائے گی، نیکی کرنے میں کسی کو فائدہ نظر نہیں آئے گا، ہر کوئی گناہ پسند کرے گا اور گناہوں کی لذت کا عادی بن جائے گا، اور انسانوں میں نیکی اور بدی کا تصور ہی ختم ہو جائے گا، کوئی بھی کتاب الٰہی کے تحت اللہ کے احکام پر چلنا اور نبی کی اطاعت کرنا ضروری نہیں سمجھے گا۔ اس لئے انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی اور بدی کا احساس' جزا اور سزا کا عقیدہ بندوں کو دیا جائے، اللہ کی رحمت کی وجہ سے بُرے کو برائی کا اور اچھے کو اچھائی کا پورا پورا بدلہ ملے، حساب لینا اور جزا وسزا دینا ناانصافی نہیں ہے، اسی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات العدل اور المقسط کو دنیا میں ظاہر کیا ہے۔

اس کو اس مثال سے بھی سمجھئے! ماں باپ اپنے بچے سے بے انتہاء محبت کرتے ہیں اور دن رات اس کی ضرورتوں کو پوری کرنا چاہتے ہیں، مگر بچہ جب شرارت کرتا ہے' ماں باپ کی بات نہیں مانتا اور ماں باپ کو ان کا مقام و مرتبہ نہیں دیتا، بے ادبی کرتا ہے، ان کی پرواہ نہیں کرتا، تو ماں باوجود بے انتہاء محبت کرنے والی ہونے کے اُسے طمانچے مارتی اور سزا دیتی ہے، اس پر وہ بچہ ماں ہی سے لپٹ جاتا ہے، اسی طرح باپ بھی نافرمانی کرنے پر غصہ ہو کر بچہ کی پٹائی کرتا ہے، تو ماں باپ کا یہ عمل بچے کے لئے ظلم نہیں' رحم اور انصاف ہی ہوتا ہے، جو بچے کی محبت میں اسے اپنا فرمانبردار بنانا چاہتے ہیں۔

ماں باپ کے خوف و محبت سے بچے کو بھی یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ماں باپ کی فرمانبرداری کرے گا تو ماں باپ اس کو گلے لگا کر بار بار پیار و محبت کریں گے اور اچھی اچھی چیزیں دیں گے، اگر وہ نافرمانی کرے گا تو پٹائی ہوگی، اور وہ ناراض ہو کر کچھ بھی نہیں دیں گے، اس لئے ان کی اطاعت کرنے پر محبت بھی ملے گی اور پسند کی چیزیں بھی ملیں گی، جن بچوں کو حد سے زیادہ لاڈ پیار ملتا ہے اور مار کا ڈر و خوف نہیں رہتا' وہ بگڑ کر آوارہ بن جاتے ہیں اور بُرے اعمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان کے پاس ماں باپ کا ادب و احترام کچھ بھی نہیں رہتا، وہ معاشرے کے لئے ناسور بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رحمٰن و رحیم ہونے کا احساس دلا کر بندے کو یہ بھی تعلیم دے رہا ہے کہ وہ حساب کے دن کا اکیلا مالک ہے، کوئی وہاں تم کو بچانے اور سفارش کرنے والا نہیں ملے گا، تم اکیلے ہی اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، اس لئے اس کی نافرمانی اور بغاوت مت کرو اور اس کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرو۔

یہ دونوں آیات ایک دوسرے سے گہری نسبت اور تعلق رکھتی ہیں، ایک طرف رحم و محبت کی تعلیم دی جا رہی ہے، دوسری طرف ڈر و خوف کا احساس دلایا جا رہا ہے۔

دنیا کی زندگی میں اولاد ماں باپ کو ماں باپ نہ مانیں' نافرمانی کریں تو ان کا کھانا پانی بند کر دیا جاتا ہے، گھر سے نکال دیا جاتا ہے، یا اگر باہر رہنے والے ماں باپ اولاد کی خدمت کے لئے نوکر رکھیں اور اولاد ماں باپ کو بڑا ماننے کے بجائے نوکر کو باپ کہے، نوکر کو سجدہ کرے اور ان کا شکریہ ادا کرے تو ماں باپ اولاد کو باغی کہہ کر ساری سہولتیں بند کر دیتے ہیں، گھر میں رکھنا گوارا نہیں کرتے۔

مگر اللہ تعالیٰ اپنی صفات رحمٰن و رحیم کو ظاہر کر کے اپنی رحمت کا احساس دلا رہا ہے کہ انسان اللہ کی زمین پر رہتے ہوئے، اللہ کے آسمان کے نیچے سوتے ہوئے، اللہ کی غذائیں کھاتے ہوئے، اللہ کی ہوا استعمال کرتے ہوئے، اللہ ہی کو اپنا خالق و مالک اور پروردگار نہ مان کر اللہ کی طرف سے انسانوں کی خدمت کے لئے جو نوکر سورج' چاند'

ستارے، زمین، ہوا، پانی، جانور، درخت اور پہاڑ مقرر کیا ہے، ان کو خدا کا مقام دے کر اللہ کے مقابلے ان کے مجسمے بناتا ہے اور ان کی بڑائی بیان کرتا ہے اور عبادت کر رہا ہے، مگر اللہ رحمٰن ورحیم ہونے کی وجہ سے ان کے لئے روشنی، ہوا، پانی، غذائیں، پھل، گوشت اور طرح طرح کی نعمتیں بند نہیں کرتا بلکہ برابر عطا کرتا ہے، اور انسان کی اس نافرمانی پر فوراً پکڑ نہیں کرتا ہے، الٹا دنیا کو نافرمان بندوں کی نظر میں جنت بناتا ہے؛ تاکہ وہ مرنے سے پہلے پہلے سنبھل جائیں، توبہ کرلیں، غلطی سے پلٹ جائیں۔

اگر وہ اپنے کو درست نہیں کریں گے تو پھر مالک یوم الدین ہونے کے ناتے ان کے اعمال پر جہنم میں آگ کی سزا دے گا، اسی طرح بہت سے ایمان والے قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں اور احکام جانتے ہیں، پھر بھی شرکیہ عقائد واعمال کے ساتھ جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ انہیں بھی یہ دونوں آیتیں پڑھوا کر سدھرنے کا موقع دے رہا ہے، اپنے بندوں پر اپنی نعمتیں بند نہیں کرتا، برابر جاری رکھتا ہے، عقلمند اور سمجھ دار لوگ یہ دونوں آیتیں پڑھ کر صرف اللہ کی اطاعت و بندگی میں زندگی گذارتے ہیں اور مرنے کے بعد اپنی زندگی کا حساب دینے کا احساس رکھتے ہیں۔

بعض جاہل لوگ دین پر چلنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو بے شعوری میں طعنہ دیتے ہیں کہ تم لوگ اللہ کو رحمٰن ورحیم نہیں سمجھتے اس لئے گناہ کرنے سے ڈرتے ہیں، ہم اللہ کو رحمٰن ورحیم مانتے ہیں اس لئے گناہ کرنے کے بعد رحم کی امید رکھتے ہیں، وہ ستر 70 ماؤں سے زیادہ محبت اور رحم کرنے والا ہے، ہم اس کی ملکیت ہیں، کیا وہ خود اپنے مال کو جلائے گا؟ اس طرح کہہ کر گناہ کرنے میں نڈر بنے رہتے ہیں، ایسے نادان اور کم عقل انسانوں کی نگاہ مــالک یوم الدین پر نہیں ہے، جب احساس دلایا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ آیت غیر ایمان والوں کے لئے ہے۔

سورۂ قٓ، آیت نمبر:33 میں اللہ نے فرمایا جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرے، حدیث میں ہے کہ عقلمند اور سمجھ دار انسان وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور پھر

رحمت کی امید رکھے، بیوقوف انسان وہ ہے جو اللہ کی جان بوجھ کرنافرمانی کرے اور پھر مغفرت کی امید رکھے۔

اگر کوئی ڈاکٹر آگ میں جلنے کے بعد جلد صحت مند ہونے کی کوئی دوا ایسی بنائے کہ جلن اور تکلیف جلد کم ہوجائے، اور چمڑی پھر آہستہ آہستہ اچھی ہوجائے، تو کیا کوئی انسان جان بوجھ کر جلنے میں مزہ ہو تو بار بار آگ میں مزہ لینے کے لئے اپنے آپ کو جلانا چاہے گا، ایک مرتبہ غلطی یا بھول سے جلنے کے بعد احتیاط کرے گا، ایسی نادانی کی باتیں کرکے لوگوں کو گناہ کروانے میں نڈر بنادیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن وحدیث پر نگاہ رکھ کر سمجھنا چاہئے کہ جب یہود ونصاریٰ کی اللہ اور پیغمبر کے ساتھ بغاوت پر سزا دینے کو سمجھایا گیا ہے، حدیثوں میں مسلم گنہگار کو بھی دوزخ میں سزا سے پاک ہونے کی تعلیم دی گئی ہے اور وحی الٰہی کی نافرمانی پر بنی اسرائیل کو مغضوب اور ضالین کیوں قرار دیا گیا؟ کیا میٹھا میٹھا ہمارے لئے اور کڑوا کڑوا دوسروں کے لئے؟ اللہ تعالیٰ تو سارے انسانوں کا خالق ومالک ہے، اس کا قانون سب کے لئے برابر ہے، وہ زبردستی کسی کو سزا نہیں دیتا، وہ تو زبردست انصاف کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم کے ذریعہ بندوں کو گناہ ہوجانے کے بعد شیطان کی طرح گناہ پر قائم رہنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ کے ذریعہ معافی مانگنے پر خوش ہوتا ہے، اور اپنی روش بدلنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ نہیں چاہتا کہ انسان شیطان سے دوستی کرکے حزب الشیطان یعنی شیطان کی جماعت والا بنے اور شیطان کی اطاعت کرکے اللہ کا باغی بنا رہے، آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے دنیا ہی سے گذرنا ہے اور دنیا کو اعمالِ صالحہ سے سجانا ہے، دنیا کے کاموں کو دین بنانا ہے، تب ہی اللہ کی رحمت مل سکتی ہے، جب تک دنیا کی زندگی کو دین نہیں بنائیں گے اللہ کی رحمت نہیں مل سکتی۔ انسان کو صرف ڈر اور خوف کا احساس دلایا جائے تو وہ خدا سے قریب آنے کے بجائے دور ہوجاتا ہے، گھبراتا ہے، ہمت نہیں کرتا، واسطے اور وسیلے تلاش کرتا ہے، جس طرح دنیا کے بادشاہوں سے ڈرتا اور خوف کرتا ہے، ڈر خوف کے

ساتھ محبت اور رحم کا احساس دلایا جائے تو قریب رہتا ہے، معافی کی امید رکھتا ہے، خدا اور بندے کے درمیان تعلق خوف اور امید سے صحیح رہتا ہے۔

افسوس مسلمانوں کی کثیر تعداد ان آیات کو بار بار پڑھنے کے باوجود اللہ کے پاس جواب دہی اور پکڑ کا احساس ہی نہیں رکھتی، مالک یوم الدین پڑھ کر آخرت کو مان کر بھی نماز نہیں پڑھتی، شرکیہ عقائد و اعمال اور بدعات و خرافات میں مبتلا رہتی ہے، بے پردہ پھرتی ہے، فضول خرچی حد سے زیادہ کرتی ہے، حرام مال' رشوت' سود' جوڑے کی رقمیں' دھوکہ، فریب' جھوٹ اور غیبت سب گناہوں میں ملوث ہے، اور گناہوں پر جمے ہوئے ہیں، ایسے انسانوں کو قرآن کی تعلیمات ہیں:

☆ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے حالات پر نظر رکھنا چاہئے کہ ان کی قوم ناپ تول میں کمی کرنے پر ہلاک کردی گئی، کیا یہ اللہ کی نافرمانی کا عمل نہیں؟

☆ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو مرد مرد کے ساتھ شہوت پوری کرنے پر اللہ نے پتھروں اور آگ کی بارش سے ہلاک کردیا گیا، کیا یہ اللہ کی نافرمانی کا عمل نہیں۔

☆ بنی اسرائیل ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کر کے اللہ کے حکم کے خلاف مچھلی کا شکار کئے تو ان پر عذاب آیا اور وہ بندر و سور بنا کر ہلاک کردئے گئے، کیا یہ اللہ کی نافرمانی والا عمل نہیں۔

مگر مسلمان شریعت کے بہت سارے احکام جاننے کے باوجود جان بوجھ کر اس کے خلاف زندگی گذار رہے ہیں، اور سب سے بڑا گناہ شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی جگہ بدعات و خرافات کو دین بنادیا، اور صرف جمعہ کی نماز کی پابندی اور رمضان کی پابندی کر کے مطمئن ہیں، جبکہ اللہ نے ہر گناہ معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے سوائے شرک کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر اور اسلام کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے، جس نے نماز کو ڈھایا اس نے دین کو ڈھایا، اس لئے نماز کے بغیر دین کا تصور نہیں، قرآن مجید نے دوزخی انسانوں کی گفتگو کو پیش کر کے سمجھایا کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے دوزخ میں ہیں، پھر بھی ہمیں عقل نہ آئے تو افسوس ہے۔

تخلیق آدمؑ سے ملنے والا سبق

وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَآئِکَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا أَتَجْعَلُ فِیْهَا مَن یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّیْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o ......تا...... وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیَاتِنَا أُولٰٓئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ o (البقرہ: ۳۰ تا ۳۹)

ترجمہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، وہ کہنے لگے: کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے اور خون خرابہ کرے، حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں؟ اللہ نے کہا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔o اور آدم کو (اللہ نے) سارے کے سارے نام سکھا دیئے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (ان سے) کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام تو بتلاؤ۔o وہ بول اُٹھے: آپ کی ذات پاک ہے، جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے، حقیقت میں علم و حکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں۔o اللہ نے کہا: آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو، چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیئے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو مجھے ان سب کا علم ہے۔o اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو! چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا، اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔o اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے

پاس بھی مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے۔o پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں بھٹکایا، اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا اور ہم نے (آدمؑ ان کی بیوی اور ابلیس سے) کہا: اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن رہوگے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے۔o پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعہ انہوں نے توبہ کی)، چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی، بیشک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔o ہم نے کہا: اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ! پھر اگر میری طرف سے ہدایت تمہیں پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔o اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔o

☆☆☆☆☆

(1) عام طور پر حضرت آدمؑ کی تخلیق میں اتنا ہی بیان کیا جاتا ہے

عام طور پر تخلیق آدم میں ان کی تخلیق کا، فرشتوں کے ذکر واذکار، ان کی حمد وثناء کا اور انسان کے فساد برپا کرنے کا، اللہ کے حضرت آدمؑ کو علم دینے کا، پھر فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم اور شیطان کی نافرمانی کا، اور پھر جنت میں آدم وحوا کو رکھنے کا، ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کرنے، اور شیطان کے بہکاوے میں آکر غلطی کرنے کا، پھر لباس اتر جانے کا، جنت سے نکالے جانے اور دنیا میں بھیجنے کا، حضرت آدم وحوا کا اللہ سے رجوع ہوکر توبہ کرنے کے تذکرے ہی سنتے ہیں، مگر ہمیں تخلیق آدم کے اس واقعہ میں کیا کیا سبق ملتا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔

انشاء اللہ اس واقعہ میں ہمیں کیا کیا سبق ملتے ہیں ان کو ذہن میں رکھیں گے تو قرآن مجید پر ایمان مزید مضبوط ہوگا، اور ان آیات کے سمجھنے، ان سے سبق حاصل کرنے میں اللہ کے کلام کی لذتیں ہم لیتے رہیں گے، ایمان کی قوت بڑھا سکیں گے۔

(2) اللہ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ کا مقام عطا فرمایا

اس رکوع میں سب سے پہلے اللہ نے یہ تذکرہ کیا کہ وہ ایک بشر کو زمین میں خلیفۃ الارض بنانے والا ہے، اس پر فرشتوں نے پہلے ہی جنات وغیرہ کے حالات دیکھ چکے تھے، عرض کیا کہ آپ آزادی واختیار اُسے عطا کریں گے تو یہ خون خرابے اور فساد پیدا کر کے زمین کے پورے انتظامات کو خراب کردے گا، پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا، یہ اللہ کے منصوبے پر تنقید نہیں تھی بلکہ فرشتوں نے اپنی سمجھ کے مطابق ایک رائے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کی۔

(3) انسان ابتداء میں بندر نہیں تھا

غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں کہ انسان پہلے بندر' گوریلا تھا، آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان کی شکل اختیار کیا، یہ بالکل غلط تصور ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحوا کو زمین پر بھیج کر انسانوں کی آبادی بڑھائی، دنیا میں بعض جانور ملتے جلتے ہیں، مثلاً شیر اور بلی، کتا اور لومڑی، سانپ اور بام مچھلی، بکری اور ہرن، گھوڑا، گدھا اور زیبرا، کیا یہ سب آہستہ آہستہ تبدیل ہوئے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو آج کا جو بندر ہے وہ کیوں تبدیل نہیں ہو رہا ہے؟

(4) زمین پر خلیفہ بنانے کی کیا وجہ ہے؟

عام طور پر انسانی حکومتوں میں یہ طریقہ ہے کہ ملک کا بادشاہ جب کبھی کہیں سفر پر جاتا ہے تو وہ اپنی جگہ کسی ذمہ دار وزیر کو خلیفہ بناتا ہے اور بادشاہ کے غیاب میں وہ وزیر' بادشاہ کے احکام کو نافذ کر کے خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور عوام کو بھی بادشاہ کے احکام پر چلنے کا حکم دیتا ہے، بادشاہ سفر پر جانے کے بعد ملک کے حالات سے واقف نہیں رہتا اور نہ انتظامات سنبھال سکتا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ الشہید ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہے، وہ دن رات اپنی مخلوقات کی بغیر اونگھ اور نیند کے دیکھ بھال کرتا ہے، کائنات کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا، اس کی نگرانی ہر جگہ' ہر وقت و ہر لمحہ جاری رہتی ہے، پھر انسان کو خلیفہ بنانے کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کو ایک

مثال سے سمجھو، مثال رہبری کے لئے ہے نہ کہ برابری کے لئے۔

فرض کرو کہ ایک برّ اعظم میں بڑے بڑے ملک ہیں، جیسے ایشیاء، اس میں 48 مما لک ہیں، مثلاً ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران، مالدیپ، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، پناما، چین، جاپان، سعودی عرب، عراق، فلسطین وغیرہ جیسے مما لک ہیں، جسے ہم برِّ اعظم ایشیاء کہتے ہیں، اب اگر ایشیاء کا بادشاہ کسی انسان کو پورے براعظم میں سے ایک چھوٹے سے گاؤں کا گورنر بنا کر یہ ذمہ داری اور آزادی دی کہ وہ اس گاؤں میں میری حکومت کے تحت انتظامات کرے اور وہاں کی چیزوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا اختیار دے کر کہے کہ وہ خود بھی میرے احکام پر چلے اور وہاں کے لوگوں کو بھی میرے احکام پر چلنے کی تاکید کرے، وہاں میرے احکام نافذ کرے، اور کہا کہ میں خلیفہ بنا کر تم سے غافل نہیں رہوں گا بلکہ تم پر پوری نظر رکھوں گا، ایک ایک پل کی خبر رکھوں گا، پھر تمہارا احساب لوں گا، میں تمہیں امتحان کی خاطر گورنر بنایا ہوں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری کائنات میں زمین جیسے سیارے پر انسان کا امتحان لینے اس کو خلیفہ بنایا، جو پوری کائنات میں چھوٹا سا حصہ ہے، اور اُسے آزادی و اختیار دیا کہ وہ زمین پر اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے اور اللہ ہی کے احکام زمین پر نافذ کرے اور زمین کی چیزوں کو اللہ کی وحی کے مطابق استعمال کرے، اگر وہ زمین کا خلیفہ بن کر وفادار رہے گا تو اجر وانعام عطا کیا جائے گا، اور اگر وہ زمین پر اپنے بنائے قانون کو نافذ کرے گا اور زمین کی چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے گا تو غدار اور باغی کہلائے گا، اس پر اس کو سزا ملے گی، میں تمہاری ہر حرکت اور کاموں کو دیکھتا رہوں گا۔

خلیفۃ الارض بنانے سے مراد اللہ کی امانت کتاب الٰہی اس کے حوالے کی جائے گی تا کہ وہ خلیفہ بن کر اللہ کے احکام وقوانین کو زمین پر نافذ کرے، پوری کائنات میں صرف اکیلے اللہ ہی کا اقتدار اور حکومت ہے خلیفہ بنا کر گویا امتحان لیا جا رہا ہے، کہ انسان خلیفۃ الارض بن کر اطاعت وفرمانبردار رہتا ہے یا باغی ونافرمان بنتا ہے، اس کو زمین کے علاوہ

ایک چیز اور اپنے جسم کو بھی اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا، یہ خلافت مختصر مدت کے لئے صرف امتحان کی خاطر دی گئی۔

(5) فرشتوں نے اپنی وفاداری، عبدیت وبندگی کا اظہار کیا

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ وہ ایک بشر کو زمین میں خلیفۃ الارض بنا رہا ہے تو فرشتوں نے کہا کہ آپ اسے اختیار دیں گے تو وہ زمین کے انتظامات کو بگاڑ دے گا، اور فساد برپا کرے گا، ہم دن رات آپ کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور آپ کے وفادار ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اس لئے کہ ان کو احساس ہو گیا تھا کہ آزادی واختیارات ملنے سے اختیارات کا غلط استعمال بھی ہو سکتا ہے اور نافرمانی بھی کی جا سکتی ہے۔

وہ جان گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو خلیفۃ الارض بنا کر اختیار و آزادی دے رہا ہے اس اختیار و آزادی کا غلط فائدہ اٹھا کر وہ زمین میں فساد برپا کر سکتا ہے، اور اللہ کے احکام نافذ کرنے کے بجائے اپنے بنائے ہوئے خود ساختہ قانون نافذ کر سکتا ہے اور زمین کے انتظامات خراب کر دے گا، اللہ کی شریعت نافذ نہیں کرے گا، شرک، کفر، فسق وفجور، یہ سب فساد فی الارض میں آتا ہے، فرشتے خلیفہ کے لفظ سے جان گئے تھے کہ اختیارات کا صحیح استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں، اس کو پا کر انسان بہک سکتا ہے، اس رائے کو پیش کر کے وہ کوئی اللہ کے منصوبے پر تنقید نہیں کئے بلکہ اللہ کی حکمت ومصلحت کو معلوم کرنا چاہتے تھے یہ شبہات ان میں اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پورے منصوبے سے ناواقف تھے اور جنات کے حالات دیکھ چکے تھے۔

(6) انسان اور فرشتوں کی عبدیت وبندگی میں فرق

انسان اللہ کی طرف سے بااختیار مخلوق ہے، فرشتے اللہ کی طرف سے بے اختیار مخلوق ہے، انسان کو اللہ نے امتحان کے لئے دنیا میں رکھا اور اسے نفس عطا فرمایا، اور اس کو اپنے اختیار و آزادی کے ساتھ عمل کرنے نہ کرنے کی آزادی دی ہے، اس لئے انسان دنیا

کی اس زندگی میں نفس امارہ پر کنٹرول حاصل کر کے اور شیطان کا مقابلہ کر کے اللہ کی عبدیت و بندگی اپنے اختیار سے کرسکتا ہے، اور اپنی چاہت سے اعمال صالحہ اختیار کرسکتا ہے، اس لئے اس کو اطاعت و بندگی پر انعام و جزا ہے اور نافرمانی پر سزا ہے۔

فرشتوں اور انسان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ فرشتوں کو نفس نہیں، وہ نفس اور شیطان کا مقابلہ اور جدو جہد کر کے بندگی نہیں کرتے، اس لئے کہ ان کو بھٹکانے اور روکنے والا کوئی نہیں، ان کے مقابلے انسان اللہ کی عبدیت و بندگی' جدو جہد اور نفس و شیطان کا مقابلہ کر کے کرتا ہے، برائی کی طاقت رکھ کر نیکی پر چل سکتا ہے، فرشتے گناہ کی طاقت ہی نہیں رکھتے، وہ بس اللہ کی اطاعت ہی اطاعت جانتے ہیں، کبھی نافرمانی نہیں کرتے، اس لئے ان کو ان کی عبدیت و بندگی پر اجر و ثواب بھی نہیں ہے، انسان کو اجر و ثواب ہے۔

فرشتوں کو اہل و عیال خاندان نہیں، وہ نہ نکاح کرتے ہیں، نہ بچوں کو پالنا ہے، نہ تجارت کرنا ہے، نہ نوکری، نہ حکومت کرنا ہے، وہ ہمیشہ پاک ہی پاک رہتے ہیں، مگر ان کے مقابلے انسان کو بہت ساری ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے، اور باقاعدہ مقابلہ کر کے محنت و مشقت اور جدو جہد کر کے' صحیح و غلط راستے میں صحیح راستے کو اختیار کر کے اللہ کے احکام پر چلنا ہے، فرشتے ان تمام حالات سے دور ہیں، وہ صرف کائنات کے انتظامات اللہ کے حکم سے پورا کرتے رہتے ہیں اور اس کی حمد و ثناء میں رہتے ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ (واللہ اعلم)

فرشتے کی عبدیت و بندگی بے اختیار ہے، انسان کی عبدیت و بندگی با اختیار ہے، چاہے تو کرسکتا ہے چاہے تو نہیں، فرشتے خیر ہی خیر کی صفت رکھتے ہیں اور انسان شر اور خیر دونوں صفات رکھتا ہے، شر پر قابو پا کر اپنی مرضی و چاہت سے خیر اختیار کرسکتا ہے۔

(7) خلیفۃ الارض کو مالک کی چند صفات میں زندگی گذارنے کا موقع دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب زمین پر خلیفۃ الارض بنایا ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے زندگی گذارے، اگر وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے گا تو

اللہ کی چند جمالی صفات کی نقل کرتے ہوئے خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرسکتا ہے، اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرسکتا ہے، اور اللہ کی زمین پر خلیفۃ الارض کی حیثیت سے اللہ کے قانونِ زندگی کو انسانوں پر نافذ کرسکتا ہے، اس کی زندگی ہر شعبہ میں عدل و انصاف والی ہوگی، اور وہ گناہوں سے بچ کر پاکیزہ زندگی گذار سکتا ہے، اور وہ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت میں رہے گا۔

اگر وہ اللہ کی معرفت حاصل نہ کرے تو پھر شیطانی صفات کو اختیار کرے گا، اور حزب الشیطان یعنی شیطان کی جماعت میں چلا جائے گا، خلیفہ ہوتے ہوئے ظلم و زیادتی و ناانصافی، بے ایمانی، دھوکہ، فریب، جھوٹ، غیبت، شراب، زنا، جوا، ناچ گانا' بجانا، قتل و خون، لوٹ مار، سود، رشوت، منافقت، شرک و کفر میں مبتلا ہوکر اللہ کی بغاوت کرے گا، اور اگر وہ اللہ کی معرفت حاصل کر کے ایمان لاکر اللہ کی اطاعت میں زندگی گذارے گا تو وہ فرشتوں سے بھی اونچا مقام حاصل کرسکتا ہے۔

(8) اللہ نے انسان کو خلیفہ بنا کر اس کو بہت ساری نعمتیں عطا کی ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفۃ الارض بنا کر اس کو بہت ساری نعمتیں عطا کی ہیں، اسے وہ نعمتیں یاد رکھنا ہوگا، تب ہی وہ شکر گذار بن کر خلیفہ کی ذمہ داریاں ادا کرسکتا ہے، اللہ نے پوری مخلوقات میں اشرف بنایا، عقل و فہم سب سے زیادہ دیا، سب سے زیادہ علم عطا کیا، اچھے برے کا اختیار دے کر ترقی کرنے کا موقع عطا کیا، نیکی و بدی کی طاقت دی، لباس عطا کیا، سواریاں عطا کیں، دوسری کسی مخلوق کو لباس نہیں دیا گیا، اور نہ وہ کسی پر سواری کرسکتے ہیں، دنیا کی عمدہ غذائیں' پھل اور میوے استعمال کرنے' کھانے پکانے کے طریقے سکھائے۔

دوسری مخلوقات ہر قسم کی غذائیں نہیں کھاسکتیں، مختلف طریقوں سے استعمال نہیں کرسکتیں، دوسری مخلوقات غاروں، پہاڑوں، بلوں، سوراخوں، جنگلوں، درختوں، ریگستانوں اور پانی میں رہتی ہیں، انسان کو باقاعدہ مکانات' محلات اور عمدہ بنگلے اور کوٹھی

بنا کر رہنے کی توفیق دی، دوسری مخلوقات میٹھا اور صاف وشفاف پانی نہیں پی سکتیں، اللہ نے انسانوں کی زراعت اور پکوان اور پینے کے لئے میٹھے پانی کا انتظام کیا، غذاؤں میں لذت حاصل کرنے کے لئے میٹھا بھی کھانے کے قابل رکھا۔

خاندانی نظام قائم کرنے اور بادشاہت قائم کرنے اور حکومت کرنے کا اختیار دیا، وحی الٰہی اور پیغمبروں کے ذریعہ صحیح راستے کی ہدایت کا انتظام کیا، پیغمبر کے بعد رسولوں کا سلسلہ بند کر کے ہر امتی کو رسالت کا کام کرنے کا موقع عطا فرمایا، ایمان و اعمال صالحہ سے جنت کے درجات حاصل کرنے کا موقع عطا کیا، یہ تمام نعمتیں دوسری کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، اگر وہ ان تمام نعمتوں کے رکھنے کے بعد بھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر نافرمانی و بغاوت میں زندگی گذارے تو اس کو تمام مخلوقات کے مقابلے نیچا اور ذلیل کر دیا جائے گا، اور تحت السری میں پھینک دیا جائے گا، اس لئے وہ دنیا میں خلیفہ ہو کر گھاٹے اور خسارے کی زندگی نہ گذارے۔

(9) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکون دینے کے لئے حوا کو پیدا فرمایا

حدیث میں ہے کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اس کے ساتھ اللہ کے واسطے نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ۔

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان پیر سے یا سر سے یا پیٹ اور کمر سے یا سینے سے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے سر سے پیدا ہونے والا افضل ہے، پیر سے پیدا ہونے والا ادنیٰ اور نیچ ہے، یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت حوا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور صفت تخلیق سے حضرت آدمؑ کی سیدھی پسلی سے پیدا کیا، اس لئے کہ دنیا میں ان سے اولاد و نسل کا سلسلہ چلنا تھا، حضرت آدمؑ نے ایک عرصہ تک تنہاء زندگی گذاری، ان کو کچھ خلاء اور وحشت محسوس ہو رہی تھی، حضرت حوا کو اپنا ہمدم اور رفیق پا کر بے حد خوش ہو گئے، ان کو سکون ملا۔

گویا اس سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ عورت نہ سر سے پیدا ہوئی نہ پیر سے، اس لئے

اس کو نہ پیر کی جوتی بناؤ اور نہ سر پر بٹھاؤ؛ بلکہ سینے کی پسلی سے جب بنی ہے تو دل کے قریب‘ دل کی رانی بنا کر رکھو، اس کی عزت کرو، اس سے محبت کرو، اس کی حفاظت کرو، اس کو ذلیل مت کرو، اس کو ناپاک مت سمجھو، وہ تو تمہاری اور تمہاری اولاد کی خادمہ، دایا، دھوبن، باورچن، نوکرانی کی طرح محنت کرتی ہے، تم سے اور تمہاری اولاد سے محبت کرتی ہے، نکاح کے بعد اپنے پیدائشی مقام‘ والدین اور اہل وعیال چھوڑ کر ہجرت کر کے تمہارے پاس آجاتی ہے، تم بیمار یا پریشان ہوتے ہو تو خود بھوکی رہ کر تم کو کھلاتی ہے، تمہارے ساتھ زبردست صبر کر کے زندگی گذارتی ہے، تمہاری محبت میں جان دینے کے لئے تیار رہتی ہے۔

(10) حضرت آدمؑ میں روح ڈالتے ہی فرشتوں کی طرف متوجہ کیا گیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کا خاکی پتلا بنا کر تیار کیا (اس میں روح ڈالی تو وہ کھڑے ہو گئے) تو فرمایا فرشتوں کے مجمع کو سلام کرو! اور پھر وہ جو دعاء دیں اس کو بھی غور سے سنو اور محفوظ کرلو، اس لئے کہ یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی دعاء ہوگی، چنانچہ حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو السلام علیکم کہا، تو فرشتوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر جواب دیا۔ (بخاری ومسلم)

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جہاں اور جس وقت سے انسانیت کی ابتداء ہوئی وہیں سے سلامتی کی دعاء حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی، اور اللہ نے خاص طور پر قرآن مجید میں ایمان والوں کو گھروں میں داخل ہونے سے پہلے سلام کرنے کا حکم بھی دیا، مگر اکثر مسلمان غفلت اور بغیر سلام کئے گھروں میں داخل ہوتے اور نکلتے ہیں۔

(11) اللہ نے حضرت آدمؑ کو دنیا کی چیزوں کا علم عطا کیا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے دنیا کی مختلف چیزوں کے نام اور ان کے استعمال کے بارے میں پوچھا تو نہیں بتلا سکے، اس پر اللہ نے حضرت آدمؑ کو دنیا کی تمام چیزیں جو ان کی اولاد کے لئے ضروری تھیں ان کا علم دیا اور یہ علم ان میں ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا، دنیا

میں آنے کے بعد حضرت آدمؑ کی اولاد کو جیسے جیسے جس زمانے میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑھنے لگی انسانوں کی سہولت کے لئے ہر زمانے میں الہام والقاء کے ذریعہ سائنس کو ترقی دے کر وہ علم دیتا گیا، جس کی وجہ سے انسانی سائنس دان ان چیزوں کی ایجادات کر کے دنیا میں نئے نئے سامانِ زندگی ایجاد کرتے گئے اور کرتے جارہے ہیں۔

(12) حضرت آدمؑ کو علم عطا کر کے اولادِ آدمؑ کو کیا سبق دیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے اس واقعہ میں خاص طور پر فرشتوں کے ذکرو تسبیح اوراذ کار کا ذکر کیا ہے، فرشتوں نے کہا ہم آپ کی رات دن حمدوثناء کرتے رہتے ہیں، پھر یہ بھی بتلا کر کہ وہ ودیعت کردہ علم رکھتے ہیں اور بندگی بجالاتے ہیں، اس سے انسانوں کو یہ بھی تعلیم دی گئی کہ دنیا کی زندگی میں ذکروعبادت کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کریں، علم حاصل کئے بغیر عبادت نہ کریں، علم میں سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ کی معرفت صفات سے حاصل کریں، اس کے لئے اللہ نے اولادِ آدم کو علم سے آراستہ کرنے کے لئے آخری وحی قرآن مجید نازل کیا ہے، فرشتے محدود علم رکھتے ہیں اور ذکروعبادت واطاعت کے پابند ہیں، ان میں اللہ نے اپنی معرفت کا علم ودیعت کر کے پیدا کیا ہے۔

انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ کی پہچان حاصل کر کے غیب پر ایمان لائیں اور معرفت الٰہی کے علم سے آراستہ ہو کر عبادت کریں، یہ علم ان کو باہر سے کتاب اور پیغمبر کے ذریعہ حاصل ہوگا، انسان اس علم سے آراستہ ہو کر اللہ کی عبدیت وبندگی کرے تب ہی وہ فرشتوں سے افضل مقام حاصل کرسکتا ہے، دنیا کی سب سے بڑی دولت اور نعمت قرآن وحدیث کی شکل میں انہیں دی گئی ہے، اور انہیں ہدایت حاصل کرنے کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔

(13) فرشتوں کے علم اور انسان کے علم میں فرق

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جس جس کام پر مقرر کیا ہے وہ اپنی حد تک اسی شعبہ کا محدود علم رکھتے ہیں، مثلاً جس فرشتہ کو پہاڑوں کے انتظام پر مقرر کیا گیا ہے یا بارش برسانے پر مقرر کیا گیا ہے یا جان نکالنے پر مقرر کیا گیا، تو وہ اسی حد تک علم رکھتے ہیں، دوسرے شعبوں کا علم

نہیں رکھتے، مگر انسان کو اللہ نے خلیفۃ الارض بنایا ہے، اس لئے اپنی معرفت کا علم بھی عطا فرمایا، آخرت کا علم، جنت و دوزخ، میدان حشر کا علم اور دنیا کی مختلف مخلوقات کا کچھ کچھ علم عطا کیا جس کی وجہ سے انسان دنیا میں خلیفۃ الارض کی ذمہ داریاں آسانی سے ادا کر سکتا ہے۔

(14) فرشتوں کو حضرت آدمؑ کو سجدۂ تعظیم بجالانے کا حکم دیا گیا

پھر اللہ نے حضرت آدمؑ سے ان چیزوں کے نام فرشتوں کو سنانے اور انہیں حضرت آدمؑ کے لئے سجدۂ تعظیم بجالانے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق میں فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ تم سب ان کو سجدہ کرو، یہ سجدہ دراصل سجدۂ تعظیمی تھا، جس کو رکوع کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا، جو بنی اسرائیل میں بھی رواج پا گیا تھا، حضرت یوسفؑ کو اسی انداز پر سجدہ کیا گیا تھا، جب آخری وحی قرآن مجید نازل ہوگئی تو یہ عمل خالص اللہ جل شانہ کے لئے ہوگیا، اور مخلوق کے ساتھ سجدۂ تعظیم بجالانا شرک قرار دے دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میری لائی ہوئی شریعت میں سجدہ کا حکم ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے، مگر اس کی بھی اجازت کسی کو نہیں دی، اور صحابہ کرامؓ نے آکر عرض کیا کہ ہم بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں، وہاں درباریوں کو اپنے بادشاہوں کو سجدۂ تعظیم کرتے دیکھے ہیں، اس لئے ان سے زیادہ آپ اس سجدہ کے مستحق ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سجدہ کرنے سے منع کر دیا، اس کی اجازت نہیں دی۔

فرشتے حضرت آدمؑ سے دنیا کی چیزوں کے علم سننے کے بعد ان کو یہ احساس ہوا کہ خلافت کے لئے کائنات کے تمام چیزوں کے استعمال کا علم رکھنا بھی ضروری ہے، ہم بالکل ناواقف ہیں اس لئے سمجھ گئے کہ انہیں خلافت ہی کا اہل بنایا گیا۔

فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ کا حکم دینا، شرک کا پہلو نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل تھی، گویا یہ حکم کے تحت اللہ ہی کو سجدہ تھا، جب یہ کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو یہ دراصل حکم تھا کہ آدم کی تعظیم بجالاؤ۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں تقدیر ہی کے فیصلے

سے زمین پر خلیفۃ الارض بنائے جارہے تھے، جس کا تذکرہ اللہ نے فرشتوں کے سامنے پہلے ہی کردیا تھا، فرشتوں اور دوسری مخلوقات کو چونکہ ان کی خدمت کے لئے لگایا جانے والا تھا، اس لئے جو خلیفہ اور گورنر ہو اس کے تابع ہونا سب کے لئے ضروری ہوتا ہے، جب اس کی تعظیم کی جائے گی تو اس کی خدمت بھی کی جاتی ہے، یہ گویا ان کو سلامی دینا تھا۔

(15) فرشتوں کو سجدہ کے حکم میں ان کا امتحان تھا

فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دینے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یہ گویا ان کی آزمائش تھی، اللہ کی طرف سے ان کی عبدیت و بندگی کا امتحان تھا، کسی بھی چیز کا امتحان اسی وقت لیا جاسکتا ہے جب اس کی طبیعت' مزاج اور فطرت کے خلاف حکم دیا جائے، فرشتے چونکہ نور سے پیدا کئے گئے تھے، اللہ کی مطیع اور عبادت گذار پاک مخلوق ہیں، وہ ہمیشہ اللہ کی پاکی' بڑائی اور حمد وثناء میں رہتی ہیں، حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے ذریعہ تعظیم بجالانا ان کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی، لیکن فرشتے یہ جانتے ہیں اور ان کی فطرت میں یہ ہے کہ اصلی عزت اور بلندی نور یا نار' حسب ونسب اور تخلیقی بڑائی سے نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکموں کی بے چون و چرا تعمیل کرنے میں ہے، چنانچہ وہ فوراً اللہ کا حکم پورا کرکے امتحان میں کامیاب ہو گئے اور آزمائش میں پورے اترے، اس طرح اللہ نے فرشتوں کے اس عمل کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ جس طرح فرشتے اللہ کی عبدیت و بندگی میں فوراً اطاعت کے لئے جھکے، ساری مخلوق کو بھی اسی طرح غلامی کرنا ہوگا، اللہ کے حکم کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

(16) ابلیس جو فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا' اس نے آدمؑ کو سجدہ نہ کیا

ابلیس نے اللہ کے حکم پر سجدہ نہ کیا، اور اللہ نے جب اس سے پوچھا: تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے کہا: تو نے آدم کو مٹی سے بنایا اور مجھے آگ کے شعلوں سے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، ابلیس کا یہ اظہار کہ میں آگ سے بنایا گیا، گویا اس نے اپنی تخلیقی بڑائی کے گھمنڈ میں غرور وتکبر میں گرفتار ہوکر اللہ کے حکم کی نافرمانی اور بغاوت کی اور ذلیل ہوگیا۔

شیطان حضرت آدمؑ سے حسد' جلن اور دشمنی میں یہ بات نہیں سمجھا کہ خالق نے

انسان کو مٹی سے اور اس کو آگ سے جب بنایا ہے تو خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ کون افضل ہے؟ کون بہتر ہے، شیطان نے زبردستی خود سے اپنے آپ کو افضل سمجھا کہ میں انسان سے بہتر ہوں، یہ جہالت‘ اندھا پن اور غرور ہے، اس طرح بہت سارے انسان عہدہ‘ کرسی‘ خوبصورتی‘ تعلیم‘ دولت اور حسب ونسب ملنے پر زبردستی اپنے کو اونچا‘ برتر اور بہتر سمجھتے ہیں اور دوسروں کو کمتر اور نچلے درجے کا سمجھتے ہیں اور شیطان کی طرح غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس لئے ہر انسان کو بھی یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ علم‘ حسب نسب‘ خاندان‘ ذات و برادری‘ امیری وغریبی‘ چھوٹا بڑا‘ اونچ نیچ‘ عہدہ و کرسی، یا تخلیقی بڑائی‘ حسن وخوبصورتی‘ صحت وطاقت اور جسامت ملے تو غرور وتکبر نہ کرے؛ بلکہ ان کو جو بھی مقام ومرتبہ ملے اُسے اللہ کا عطیہ اور احسان وانعام سمجھے۔

جو لوگ اونچ نیچ اور بڑے چھوٹے کے مسائل میں مبتلا رہتے ہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ کتا‘ بلی‘ سوّر اور گدھا تو نہیں بنائے گئے؛ بلکہ انسان بنا کر تمام مخلوقات میں افضل بنائے گئے ہیں، جو لوگ علم‘ دولت اور حسب نسب کی بڑائی اور غرور میں مبتلا ہوتے ہیں وہ شیطان کی نقل کر رہے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو اللہ کا فرمانبردار اور متقی ہے۔

شیطان کی اس نافرمانی کے ذریعہ بنی اسرائیل کو بھی عبرت ونصیحت کی گئی ہے، انہوں نے بنی اسرائیل میں بزرگوں‘ ولیوں اور پیغمبروں کی اولادیں ہونے پر بنواسماعیل کے لوگوں کو اُمّی کہا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محض حسب نسب کی بنیاد پر بنواسماعیل میں پیدا ہونے اور اپنے سے کمتر اور اپنی اولاد سے بڑھ کر سچا جاننے اور نشانیوں سے پہچاننے کے باوجود شیطان کا کردار ادا کر رہے ہیں، بہرحال شیطان نافرمانی کر کے اپنے امتحان میں ناکام ہوا۔

یہودیوں کو احساس دلایا گیا کہ ان کا رول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی ہے جو شیطان کا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

(17) مشرکین مکہ کو بھی شیطان کی روش اختیار کرنے کا احساس دلایا گیا

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوموں کو دعوتِ ایمان پر سرداروں نے یہی کہا تھا کہ ہم اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، ان کو اپنی مجلس سے نکال دو' تب ہی ہم آپ کی بات سنیں گے، ہم کو ان کے ساتھ بیٹھنے میں گھن آتی ہے، ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری بے عزتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مشرکین مکہ نے حق قبول نہ کرنے کا یہ بہانہ بنایا کہ ہم قبیلوں کے سردار ہیں، ہمارے ماتحت کئی غلام اور باندیاں ہیں، ہم دولت اور اثر و رسوخ والے ہیں، محمد بن عبداللہ' سردار نہیں ہے، ان کے پاس دولت نہیں ہے، نہ ان کے ساتھ قوم کے کوئی دولت مند لوگ ہیں، کمزور' نوکر اور غلام ان کے ساتھ ہیں، وہ بکریاں چراتے تھے اور ہمارے سامان لے جا کر فروخت کرتے ہیں، حضرت ابوطالب کی کفالت میں ہیں، یتیم ہیں، ہم کیوں ان کو بڑا مان کر ان کے تابع بن کر رہیں؟ وہ کمتر ہیں اور ہم برتر، ان کا لوگوں پر کوئی رعب و دبدبہ نہیں، وہ ہمارے مقابلے ادنیٰ ہیں اور ہم اعلیٰ ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے قصہ کو سنا کر ان کو بھی احساس دلایا گیا کہ یہی غرور و تکبر شیطان نے بھی کیا، ذلیل ہو گیا' تم بھی وہی روش اختیار کر رہے ہو۔

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے پر ان سے شیطان نے عداوت' بغض اور دشمنی اختیار کی اور اولادِ آدم کا بھی دشمن بن گیا، اسی طرح تم بھی نہ صرف اپنے غرور و تکبر اور گھمنڈ میں محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمن بن گئے ہو، بلکہ شیطان کی نقل میں ان پر ایمان لانے والوں کے بھی دشمن بنے ہوئے ہو، شیطان اپنی دشمنی اولادِ آدم کو بہکا کر نکال رہا ہے، اور ان کو جہنم کے راستے پر چلا رہا ہے، اسی طرح تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان پر ایمان لانے والوں کے بھی دشمن بن کر مار پیٹ' قتل و خون اور لوٹ مار کر رہے ہو اور انہیں ایمان سے ہٹانا چاہتے ہو، تمہارا یہ سلوک دراصل شیطان ہی کی پیروی ہے، تم اولادِ آدمؑ ہو کر شیطان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو۔

جس طرح شیطان نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اسی طرح تم بھی محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر ماننے سے انکار کر رہے ہو، اور شیطان کی طرح زبردستی اپنے کو اعلیٰ اور ان کو ادنیٰ و حقیر سمجھ رہے ہو۔

مشرکین کہتے تھے کہ کیا اللہ کو کوئی دوسرا دولت منداور اثر ورسوخ رکھنے والا' سردار قسم کا انسان نہیں ملا جو یہ ادنیٰ اور کمتر انسان کو نبی بنا دیا، شیطان نے بھی یہی کہا تھا کہ یہ مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور میں آگ کا ہوں، ان سے بہتر اور اعلیٰ ہوں، اللہ نے کہا کہ اگر تم شیطان کی طرح غرور و تکبر اور گھمنڈ کرو گے تو اسی کی طرح ذلیل اور بے عزت کر دئے جاؤ گے۔

(18) فرشتوں نے باوجود نورانی مخلوق ہونے کے غرور و تکبر نہیں کیا

شیطان کی اس نافرمانی سے ہر انسان کو یہ سبق دیا گیا کہ وہ اللہ کی اطاعت و بندگی میں' نہ شیطان کی روش اختیار کریں اور نہ بنی اسرائیل کی اور نہ ہی مغرور دولتمندوں اور گمراہ سرداروں کی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے ہی فرشتوں کو یہ حکم فرما دیا تھا کہ میں سڑے ہوئے اور کھنکھناتی مٹی کے گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں، جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

فرشتے' آدم کی تخلیق سے پہلے ہی سے واقف تھے، یہ حکم دراصل فرشتوں کے لئے امتحان تھا، وہ نور کی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے آپ کو آدم سے افضل نہیں سمجھے کہ آدم خاکی ہے اور ہم نوری ہیں، وہ جانتے تھے کہ عزت بخشنے والی ذات اللہ کی ہے، اس کے حکموں کو پورا کرنے ہی میں عزت ہے، اس سخت امتحان میں وہ پورے اُترے، مگر ابلیس نے غرور و تکبر میں آکر زبردستی اپنے آپ کو آدم سے افضل سمجھا اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے باغی بن گیا، ناکام ہو گیا، ذلیل ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے جنت سے نکال دیا گیا۔

(19) فرشتوں سے سجدہ کروا کر انسان کو بلند مرتبہ عطا کیا گیا

فرشتوں سے سجدہ کروا کر انسانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ تمام مخلوقات میں اشرف ہیں، ان کو اشرف المخلوقات کا مقام دیا گیا ہے، اور یہ ان کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے

کہ انتہائی فرمانبردار نیک اور پاک نورانی مخلوق سے ان کی تعظیم کروائی گئی، اور کائنات کی بہت ساری چیزوں کو ان کے تصرف اور قبضہ میں دیا گیا، اور خلیفۃ الارض بنایا گیا، اس لئے وہ دنیا میں خلیفہ ہونے، مسجود ملائکہ ہونے اور اشرف المخلوقات بنائے جانے کے نہ جنّات کو سجدہ کریں، نہ درختوں، سورج، چاند، دولت، زمین اور نہ انسان اور شیطانوں کی عبادت وسجدہ کریں، ان کو خدا کے مقام پر نہ بٹھائیں، اگر وہ اشرف واعلیٰ ہوکر بڑے ہوکر اپنے سے چھوٹی مخلوقات کو سجدہ کریں گے اور ان کو خدا کے مقام پر بٹھائیں گے یا خدا کے حقوق دیں گے تو یہ اللہ کی نہیں خود ان کی توہین ہوگی، مگر انسان اپنی حقیقت نہ جان کر مخلوقات کو بھی خدا کا مقام دے رہا ہے اور مخلوقات کو بھی سجدے کر رہا ہے، حالانکہ بہت ساری مخلوقات کو اللہ نے اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، اس کو زمین پر، درختوں پر، جانوروں پر، پہاڑوں پر، ریگستانوں پر کنٹرول دیا، ہواؤں اور سمندروں کو مسخر کیا۔

انسان کو خلیفہ کا مقام دیا گیا ہے، وہ بُرائی کی طاقت رکھ کر، خیر پر چل سکتا ہے اور خیر پھیلا سکتا ہے، بُرے ماحول میں رہ کر برائی سے بچ کر برائی مٹا سکتا ہے، پیغمبر کے بعد پیغمبر کا وارث بن کر پیغمبر کی ذمہ داریاں اٹھا سکتا ہے، اگر وہ خلیفہ بن کر اپنے نوکروں کی تعظیم کرے اور نوکروں کو خدا سمجھے تو یہ اس کی نا اہلی، گمراہی اور بیوقوفی ہے۔

(20) حضرت آدمؑ وحوا کو جنت میں رکھ کر اعلیٰ وعمدہ کلچر دکھایا گیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحوا کو جنت میں رکھ کر اعلیٰ وعمدہ کلچر، تہذیب وتمدن سے واقف کروایا، پاکیزہ زندگی کا نمونہ بتلایا اور جنت کی نعمتوں کی جھلک ان کے ذہن ودماغ میں پیدا کردی، اسی وجہ سے حضرت آدمؑ کی اولاد دنیا میں مختلف عمدہ غذائیں، عمدہ لباس، عمدہ سامانِ زندگی، عمدہ مکانات، عمدہ تیز رفتار سواریاں اور بہترین مہمان نوازی وغیرہ کا عکس اپنے اندر رکھتی ہے اور اس کا ہلکا سا عکس اپنے اندر رکھتی ہے۔

(21) حضرت آدمؑ وحوا کو جنت میں رکھ کر امتحان لیا گیا

اللہ تعالیٰ نے جس طرح فرشتوں اور ابلیس کا امتحان لیا اسی طرح حضرت آدمؑ وحوا

کو جنت میں رکھ کر ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کر کے امتحان لیا، لیکن انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ جس چیز سے روک دیا جاتا ہے اسی کا زیادہ حریص بن جاتا ہے۔

ابلیس نے آدمؑ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کو دھوکہ دیا اور جھوٹ بولا کہ اسی درخت کے پھلوں میں یہاں کی ہمیشہ کی زندگی ہے، اس کے پھل کھانے کے بعد تم لوگ یہاں سے نہیں نکالے جا سکتے، ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہو گے، شیطان کی ان باتوں سے حضرت آدمؑ و حوا لغزش کھا گئے اور انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا، جس کی وجہ سے ان کا جنتی لباس فوراً اتر گیا۔

(22) شیطان دنیا میں اولادِ آدم کو بھی اسی طرح دھوکہ دیتا ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو دنیا میں امتحان کے لئے رکھا اور دنیا کی بعض چیزوں کو استعمال کرنے سے منع کیا، ان کو حرام کیا، تا کہ ان کی روح، صحت، اخلاقیات اچھی رہیں اور وہ اطاعت کر کے نیکیاں کما سکیں، مگر شیطان چونکہ اولادِ آدم کا دشمن ہے، وہ انسانوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دنیا کی عیش و عشرت، مزے و لذتیں، دنیا کی عزت و ترقی اور دنیا کی کامیاب زندگی انہی حرام چیزوں میں چھپی ہوئی ہے جن سے اللہ نے تمہیں روکا اور منع کیا ہے، اسی سے اعلیٰ تہذیب و تمدن والے بھی تم بن سکتے ہو اور بغیر تکالیف کے زندگی گذار سکتے ہو، مثلاً بے پردہ، ننگے اور نیم برہنہ فیشن اختیار کرنا، دھوکہ دینا، غبن کرنا، جھوٹ بولنا، چوری کرنا، ناچنا گانا بجانا، جسم فروشی سے مزے لوٹنا اور آسانی سے پیسے کمانا، ریس اور جوا کھیلنا، ناانصافی کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، لوگوں کا حق مارنا، بے جا ظلم کرنا، مال و جائیداد پر ناجائز قبضہ کر لینا، حقوق ادا نہ کرنا، کسی سے ان کے حقوق چھین لینا، شادیوں میں خوب دولت لوٹا کر اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے مزے لینا، بغیر شادی کے بچے پیدا نہ کر کے آزاد زندگی گذارنا، لیو اِن ریلیشن شپ یعنی بغیر شادی کے مرد و عورت کا ایک ساتھ میاں بیوی جیسی زندگی گذارنا' وغیرہ، تب ہی دنیا میں عزت ملے گی، عیش و آرام کی زندگی گذرے گی، شیطان ایسے ہی گنہگاروں کو دنیا کی چمک دمک ان کی نظروں میں دِکھا کر ذہنوں میں بٹھاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے۔

انسان اس کی ان گمراہ ترغیبات پر دھوکہ کھا جاتا ہے اور گناہوں میں لذت، جھوٹی عزت اور وقتی عیش و آرام پا کر اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے، چنانچہ انسانوں کی بہت بڑی تعداد شیطان کی دوستی میں زندگی گذار کر برائی اور گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اللہ کی نافرمانی میں زندگی گذار رہی ہے، اور حزب الشیطان، یعنی شیطان کی جماعت میں شریک ہو رہی ہے۔

(23) غلطی اور نافرمانی ہوتے ہی جنت کا لباس اُتر گیا

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو یہ خاص طور پر احساس دلایا کہ جیسے ہی تمہارے ماں باپ سے غلطی ہوگئی، جنتی لباس ان کے بدن سے اتر گیا اور انہوں نے اکیلے ہونے کے باوجود برہنہ رہنا برداشت نہیں کیا، فوراً جنت کے بڑے بڑے پتوں سے اپنا جسم ڈھانک لیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی فطرت ہی میں شرم و حیاء کا مادہ رکھ کر تخلیق کیا ہے، مگر شیطان اولادِ آدم کو اللہ کی نافرمانی کروا کر بے حیاء و بے شرم بنانا چاہتا ہے، چنانچہ ایمان سے کمزور انسانوں کو بے حیاء و بے شرم بنانے کے لئے بے پردہ کرتا ہے، نیم برہنہ کرتا ہے یا سمندروں کے ساحل پر ننگا کرتا ہے، فحش گفتگو کرواتا ہے، گالی گلوج کرواتا ہے، شہوت کی ذومعنٰی گفتگو کرواتا ہے، عورتوں کو برہنہ کر کے کلبوں، ہوٹلوں، باروں میں ناچ گانا کرواتا ہے، اور پوسٹروں میں برہنہ دکھاتا ہے، عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی بناتا ہے، مرد کو مرد کے ساتھ اور عورت کو عورت کے ساتھ قوم لوط والا عمل کرواتا ہے اور ہم جنس پرستی میں مبتلا کر کے آپس میں شادی کرواتا ہے، عورتوں کو مردوں جیسا لباس پہنواتا ہے، گویا اولادِ آدمؑ کو ان کی فطرت کے خلاف چلا کر اللہ کی بغاوت کرواتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء ایمان کا جزو اور ایمان کا پھل ہے، (بخاری و مسلم) بے حیائی اور بے شرمی بدکاری میں سے ہیں۔ (ترمذی) حیاء اور ایمان دونوں لازم و ملزوم ہیں، جب دونوں میں سے کوئی ایک اُٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ (بیہقی) جس کے پاس حیاء نہ ہو تو پھر وہ جو چاہے کر لے۔ (بخاری و مسلم)

(24) حضرت آدمؑ وحوا جنت سے گناہ کی وجہ سے نہیں نکالے گئے

حضرت آدمؑ وحوا کو پھل کھانے کے بعد لباس اتر جانے کے بعد ان کو زمین پر اتر جانے کا حکم دے دیا گیا اور شیطان کو بھی اتر جانے کا حکم دیا گیا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ وحوا کو گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے سزا کے طور پر نکالا گیا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے ہی فرشتوں کے سامنے یہ تذکرہ کر دیا تھا کہ وہ ایک انسان کو تخلیق کر کے زمین میں خلیفۃ الارض بنانے والا ہے، اس لئے ان کا نکالنا سزا کے طور پر نہیں بلکہ تقدیر کے مطابق ہوا، ان کو اور ان کی اولاد کو زمین پر امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا، مجرم کی یا گنہگار کی حیثیت سے نہیں بھیجا گیا اور شیطان ان کا دشمن بن کر زمین پر آ گیا۔

(25) دنیا کے حالات تقدیرِ الٰہی کے تحت امتحان کے لئے آتے ہیں

اصحاب سنن کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میرے رب! مجھے آدمؑ کو دکھا دے، جو خود بھی جنت سے نکل گئے اور ہمیں بھی نکال لائے، اللہ تعالیٰ نے باپ آدمؑ سے ان کی ملاقات کرا دی، حضرت موسیٰؑ نے کہا: آپ ہی ہمارے باپ آدم ہیں، حضرت آدمؑ نے کہا: بیشک! پھر حضرت موسیٰؑ نے کہا: آپ ہی ہیں جن کے اندر اللہ نے اپنی روح پھونکی، جن کو تمام اسماء کا علم عطا فرمایا اور تمام ملائکہ سے سجدہ کروایا، حضرت آدمؑ نے کہا: بے شک! حضرت موسیٰؑ نے کہا: پھر کیا بگڑ رہا تھا کہ آپ خود بھی جنت سے نکل آئے اور ہمیں بھی نکال لائے؟ حضرت آدمؑ نے پوچھا: آپ کی تعریف کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، حضرت آدمؑ نے کہا: آپ ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے برگزیدہ کیا، آپ ہی بنی اسرائیل کے وہ نبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست تکلّم فرمایا، درمیان میں کسی کو واسطہ نہیں بنایا؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: جی ہاں! پھر حضرت آدمؑ نے کہا: تو کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ چیز تقدیرِ الٰہی میں آ چکی تھی؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: بے شک! مجھے معلوم ہے، حضرت آدمؑ نے کہا: تو آپ مجھے ملامت کر رہے ہیں

ایک ایسی بات پر جس کا فیصلہ میری تخلیق سے پہلے ہی ہو چکا تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ سے جیت گئے، حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ سے جیت گئے، حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ سے جیت گئے، حضرت آدمؑ حق بجانب تھے، انہوں نے اسے فیصلۂ الٰہی اور تقدیرِ الٰہی کا نتیجہ قرار دیا، حضرت موسیٰؑ بھی یہ جواب سن کر قائل ہو گئے۔

اس لئے ہمیں زندگی کے تمام حالات میں اللہ کی تقدیر پر ایمان رکھنا ہوگا۔

(26) حضرت آدمؑ وحوا کو دنیا میں بھیج کر توبہ کے عمل سے انسان کو سبق دیا گیا

بعض لوگ یہ تصور رکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت آدمؑ وحوا نے گناہ کیا اس لئے ان کی پوری اولاد گنہگار رہے، ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اللہ نے اپنے چہیتے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر سارے انسانوں کو گنہگاری سے نکال لیا، اور حضرت عیسیٰؑ سارے انسانوں کے گناہوں کی معافی کا کفارہ بنے، یہ بات بالکل غلط ہے اور انسانی سمجھ سے بہت دور ہے، دنیا کی کوئی قوم اور کوئی انسان بھی کسی مذہب کے چھوٹے بچے کو گنہگار نہیں مانتا' نہ سمجھتا اور نہ کہتا ہے، انسان کا ہر بچہ ابھی پیدا ہونے کے بعد کوئی عمل ہی نہیں کرتا' کیسے گنہگار ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کسی انسان کو دس بچے ہوں اور نو بچے نافرمان ہوں اور ایک نیک وصالح اور فرمانبردار ہو تو کیا باپ ان نو کو معافی دینے کے لئے اپنے نیک بچے کو تکلیف دے گا اور قتل کر دے گا؟ یہ عجیب اور عقل کے خلاف بات ہے۔

اس لئے اللہ نے سورۂ بقرہ کے اس رکوع میں انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ اگر انسانوں سے غلطی ہو جائے تو وہ ناامید نہ ہوں، اللہ سے رجوع ہو کر توبہ کریں، ہر انسان اپنے باپ حضرت آدمؑ کی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو کر سچی توبہ کرے، شیطان کی طرح نافرمانی کے بعد توبہ نہ کر کے ذلت میں مبتلا نہ ہو، گناہ کر کے شیطان کی روِش اختیار نہ کرے۔

(27) گناہ پر سچی توبہ نہ کر کے انسان اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے

حضرت آدمؑ وحوا کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج کر یہ تعلیم بھی دی گئی کہ گناہ کرنے کے بعد انسان سچی توبہ نہ کرے تو اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے، جس طرح حضرت آدمؑ

وحوا ابتداء میں جنت جیسے اعلیٰ مقام اور جنت کی نعمتوں سے محروم کردئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ سے غلطی و بھول ہوجانے پر سوال کیا تو انہوں نے شیطان کی طرح حجت نہیں کی، اور اپنی غلطی کو چھپانے کی تاویلات پیش نہیں کیں؛ بلکہ غلطی کا فوراً اقرار کیا، حضرت آدمؑ کا یہ عمل جان بوجھ کر گناہ نہیں تھا؛ بلکہ شیطان کے بہکاوے کی وجہ سے بھول تھا، وہ نبی بنائے جانے والے تھے، نبی تو معصوم ہوتا ہے، اللہ کی طرف سے خاص معصوم بشر ہی کو چنا جاتا ہے، ان سے اللہ کی شریعت کے تقاضے کی وجہ سے سہو، نسیان اور لغزش ہوگئی، وہ ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہ سے پاک تھے۔

(28) نافرمانی کے باوجود شیطان کی ہٹ دھرمی

اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو اپنی رحمت سے محروم کر کے جنت سے نکلنے کا حکم دیا تو معافی مانگنے کے بجائے الٹا اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے رسوا کیا، تو میں بھی اولادِ آدم کو ناشکرا ثابت کروں گا، اور اولادِ آدم کو ناشکرا ثابت کرنے کے لئے اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت بھی مانگی، اللہ تعالیٰ نے اُسے مہلت دے دی، وہ چاہتا ہے کہ آدم کی اولاد پھر سے جنت میں نہ جانے پائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شیطان نے دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ بہت سارے لوگوں کی سفارش اللہ کے پاس کر رہے ہیں، اس نے حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کر کے کہا کہ موسیٰؑ! میرے لئے بھی اللہ سے سفارش کریں، حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے پاس اس کا ذکر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ وہ آدمؑ کی قبر جو دنیا میں ہے اُسے جا کر سجدہ کرے، حضرت موسیٰؑ نے جب وہی بات شیطان سے کہی' تو شیطان کی حضرت آدمؑ سے دشمنی کا یہ حال تھا کہ اپنی نافرمانی اور چھٹکارہ پانے کے بجائے کہا کہ میں نے ان کی زندگی میں ان کو سجدہ نہیں کیا' اب قبر کو سجدہ کیوں کروں؟

☆☆☆☆☆

اطاعت ونافرمانی کے ذریعہ نامکمل دینداری

ثُمَّ أَنتُمْ هَـٰؤُلَآءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقاً مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَن يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ٥ (البقرہ:۸۵)

ترجمہ: اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کر کے (ان کے دشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا، تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے' اس کی سزا اِس کے سوا کیا ہے کہ دُنیوی زندگی میں اس کی رُسوائی ہو، اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا، اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

ان آیات میں انسان کا خاص طور پر کتاب الٰہی کو مانتے ہوئے اس پر کس طرح نافرمانی کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے بتلایا گیا ہے، اس میں کھلے طور پر تاکید کی گئی کہ کتاب الٰہی کی بعض باتیں جو خواہشات کے مطابق ہوں وہ تو مانی جائیں اور جو بات نفس اور خواہشات کے خلاف ہو اس پر عمل سے انکار کر دیا جائے، اس طرح کتاب الٰہی کو ماننا ایمان نہیں کہلاتا، شریعت کے معاملہ میں یہ روایہ اختیار کرنا اللہ کی عبدیت و بندگی نہیں' بلکہ

اس طرح کا اختیار کرنے والے دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یہود جانتے بوجھتے وعدہ کرنے کے باوجود کتاب الٰہی کی خلاف ورزی کررہے تھے، ان کی یہ عام عادت تھی کہ بعض اعمال جو نفس کے مطابق ہوں یا آسان ہوں ان کو کتابِ الٰہی کے تحت کرنے کا اظہار کرتے تھے اور اب بھی کررہے ہیں، اور جو بات ان کی خواہش کے خلاف ہو، جس میں دنیا کا نقصان ہو یا سماج وسوسائٹی کے خلاف ہو اس پر جان بوجھ کر شریعت کے خلاف عمل کرتے تھے، اور اپنے مفاد کی خاطر سماج وسوسائٹی کا ساتھ دیتے تھے، گویا بعض احکامِ الٰہی کو مانتے اور بعض احکام کا عمل سے کھلا انکار کا ثبوت دیتے تھے۔

ان آیات میں بلاواسطہ امت مسلمہ کو بھی تاکید کی جارہی ہے کہ وہ یہود کے آئینے میں اپنی صورت دیکھتے رہیں، اور یہود کے طرز عمل کو ذہن میں رکھیں، اور ان کی طرح دین پر جی کی خواہش کے مطابق نہ چلیں، ورنہ وہ بھی دنیا اور آخرت میں ذلت میں مبتلا کردیئے جائیں گے، اس طرح دین پر چلنا ایمان کی روح نہیں ہے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ o (البقرة: ۲۰۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے طور پر داخل ہوجاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

☆ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ آباد تھے، ان کے علاوہ مدینہ میں دو مشرک گروہ اوس اور خزرج بھی آباد تھے، ان مشرک قبیلوں کے درمیان سخت دشمنی تھی، اور اکثر قبائلی جنگیں برپا ہوتی رہتی تھیں، یہودیوں کے ان دونوں مشرک گروہوں سے سودی لین دین اور تجارتی تعلقات تھے، جس کی وجہ سے بنونضیر اور بنو قینقاع، خزرج کے ساتھ اور بنوقریظہ اوس کے ساتھ بطور حلیف الگ الگ تعلقات تھے۔

جب ان دونوں مشرک قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تو ان کے ساتھ حلیفانہ معاہدے کے تحت یہود بھی اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دینے کے لئے جنگ میں شریک ہوجاتے اور ایک دوسرے کے مقابل آکر اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرتے تھے، اور جو گروہ فتح پاتا وہ مشرکوں کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائیوں کے مال و دولت کو اور سامان کو لوٹ لیتا اور ان کو گھروں سے بے گھر کر کے جلاوطن کر دیتا تھا، اور اپنے ہی بھائیوں کو غلام بنالیتا تھا، فاتح گروہ اپنے شکست کھانے والے بھائیوں سے فدیہ لے کر قیدیوں کو واپس کر دیتا تھا، اور شکست کھانے والے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے تھے، گویا کتاب الٰہی پر عمل کرنے کا ڈھونگ رچا کر تورات کے حکم پر قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے، اعتراض کرنے والے جب ان کی اس حرکت پر سوال کرتے تو ملت' برادری اور قوم پرستی کا احساس دلانے کے لئے کہتے کہ یہ کتاب الٰہی کا حکم ہے، حالانکہ اللہ نے ان سے تورات میں وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کو قتل بھی نہیں کریں گے اور گھروں سے باہر نکال کر جلاوطن بھی نہیں کریں گے، اور غلام نہیں بنائیں گے۔

مگر ایک طرف اوس اور خزرج کی دوستی اور دنیا کے فائدے کے لئے تورات کی مخالفت میں عمل کرتے، اور دوسری طرف دیندار کا مظاہرہ کرنے کے لئے تورات کے حکم کی پابندی کے لئے اپنے ہی بھائیوں کو غلام بنا کر اپنے ہی بھائیوں سے فدیہ لے دے کر خود ہی چھوڑتے اور چھڑاتے تھے، اس منافقانہ عمل کے وہ عادی بن گئے تھے، گویا وہ اپنے نفس کو دھوکہ میں مبتلا رکھتے تھے۔

ان کے اس طرح کے عمل سے یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف کتاب الٰہی کی جو بات' خواہشِ نفس کے مطابق ہوا سے مان رہے ہیں کہ غلام بننے کے بعد ان کو فدیہ لے دے کر چھڑا رہے ہیں، اور دوسری طرف جو بات خواہشِ نفس کے خلاف اور دنیوی اعتبار سے نقصاندہ ہو اس کا انکار کر کے مشرکوں کا ساتھ دے رہے ہیں، اور اپنا دنیا کا فائدہ چاہ رہے ہیں، حالانکہ ان کو گھروں سے نکالنا اور مال و دولت اور سامان' لوٹنا اور غلام بنانا

قطعی حرام تھا۔

اس طرح نفس کی خواہش پر اللہ کے احکام کی پابندی کرنا' اللہ کی اطاعت و بندگی نہیں کہلاتی، یہود محض اپنے کاروبار' سودی لین دین اور شراب کی تجارت' مشرک قبیلوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ اور عمل اختیار کیئے ہوئے تھے، مشرک قبیلے ان کو اہل علم اور بڑے مذہبی لوگ تصور کرتے تھے، مگر وہ محض دنیوی مفاد کی خاطر کتاب الٰہی کا راستہ بتلانے کے بجائے ان کے سامنے کتاب الٰہی کے بعض احکام پر چلتے اور بعض احکام پر جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیتے تھے، حق سمجھانے کے بجائے خود گمراہی پر چلتے اور باطل کا ساتھ دیتے تھے۔

اللہ نے ان آیات میں فرمایا کہ جو لوگ شریعت الٰہی کے ساتھ ایسا مذاق اور عمل کریں گے تو اللہ ان کو دنیا میں بے عزتی کی زندگی میں مبتلا کرے گا اور آخرت میں سخت عذاب دے گا۔

جو گروہ لڑائی میں غالب آتا یہودی اپنے ہی بھائیوں کو غلام بنا لیتے اور جو مغلوب ہوتا وہ اپنے ہی بھائیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ ادا کرتا، اور یہ فاتح گروہ اپنے ہی بھائیوں سے مال وصول کر کے انہیں چھوڑتا، گویا آپس میں ایک دوسرے کا مال اسی طرح ناحق کھاتے تھے۔

کوئی ایک دوسرے کے قتل اور آپسی جنگ پر اعتراض کرتا تو وہ کہتے کہ دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے جنگ کرنا پڑتا ہے، ان کے پاس اللہ کے حکم کی اہمیت نہیں دوستی کی اہمیت زیادہ تھی، ان کے اس طرح کے رویہ میں ایک تو شریعت کی خلاف ورزی تھی، دوسرے حقوق العباد کا گناہ تھا کہ اللہ کے حکم کے خلاف جنگ میں شریک ہو کر اپنے ہی بھائیوں کا قتل کرنا، پھر ان کو غلام بنا کر ان کے گھر' سامان' دولت لوٹنا، جلاوطن کرنا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا۔

اللہ نے بنی اسرائیل کی اس بے دینی کی طرف توجہ دلا کر حیرت سے پوچھا کہ کیا تم

کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو، اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے، وہ انہیں معاف کرنے والا نہیں ہے، جو لوگ بھی اس طرح کا طرز عمل شریعت کے ساتھ کرتے ہیں، وہ دنیا میں بھی ذلت میں مبتلا ہوں گے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دئے جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی چمک دمک کی خاطر آخرت کے بدلے دنیا خرید رہے ہیں، نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکے گا۔

ان آیات کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا ضروری ہے، اور یہ جاننا ضروری ہے کہ ان آیات کے ذریعہ ہمیں کیا سبق اور نصیحت مل رہی ہے۔

قرآن وحدیث محفوظ رہنے کے باوجود مسلمان شریعت کے خلاف کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو جہنمی سمجھتا ہے، اللہ نے آپس میں سلام کرنے کی تعلیم دی ہے، مگر ایک جماعت والا دوسری جماعت والے کو سلام نہیں کرتا، بس اپنے گروہ والوں کو سلام کرتے اور ان ہی سے ہمدردی رکھتے ہیں، ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

عقائد ایمان کے تعلق سے شریعت کی جو صاف صاف تعلیم ہے، اس کے بالکل خلاف غلو میں مبتلا ہو کر مخلوقات کو بھی اللہ کی صفات اور اختیارات میں شریک کرتے ہیں، چنانچہ مخلوق کو مشکل کشا' حاجت روا اور دافع البلاء سمجھتے ہیں، اللہ سے رسمی دعائیں مانگتے ہیں اور مخلوق سے اولاد' تندرستی' حیات' کامیابی اور مصیبت سے نجات کے لئے دعائیں مانگتے ہیں اور منتیں مانگتے ہیں، ان کی قبروں اور جھنڈوں کو سجدے کرتے ہیں، طواف کرتے ہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، عرس میں شریک ہونے کو حج کے برابر سمجھتے ہیں، ڈھول باجے پر قوالیاں کرتے ہیں اور شرکیہ الفاظ کے اشعار گاتے ہیں، دوسری قوموں کے سامنے شرکیہ عقائد واعمال پیش کرتے ہیں، قبروں پر پھول کی چادریں چڑھا کر وہاں کا پانی دھو کر پیتے ہیں اور درگاہوں پر صندل کے نام پر جلوس کی شکل میں باجے کے ساتھ نکالتے ہیں، نماز ادا کرنے کا کوئی خیال نہیں رکھتے، غلو میں مبتلا ہو کر اللہ کے احکام کے خلاف شرکیہ اعمال اختیار کرتے ہیں

اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے خلاف بدعات وخرافات کو دین بنادیا، جبکہ دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرنا بدعت بتلایا گیا ہےاور ہر بدعت کو گمراہی کہا گیااور اس کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا۔ کہنے والے جب اعتراض کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں بزرگوں سے محبت وعقیدت ہے، تم کونہیں ہے، تم کافر ہو۔کیااس طرح کا عقیدہ اور عمل، شریعت کی پابندی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں دیااس کی شکلیں نفسانی خواہش اور غلو میں بدل دی گئی ہیں، حالانکہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، جمعہ کی نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، بہت سے پانچ وقت کے نمازی بھی ہیں، پھران سب کے ساتھ یہ بدعات ورسومات بھی کرتے ہیں اور دین کی شکل دنیا کے سامنے بگاڑ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگی مقصد بس عبادت بتلایا ہے، یہ لوگ شریعت کے حکم کے خلاف اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھنے کے باوجود اللہ کے ساتھ مخلوق کی بھی عبادت کررہے ہیں، اور مخلوق سے بھی دعاء مانگ رہے ہیں، کیا یہ شرک نہیں ہے؟ پوچھنے پر تاویلات نکال کر گمراہی باتیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو چوبیس گھنٹے اپنی عبدیت وبندگی کرنے کی تعلیم دی ہے۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پوری دنیا میں رمضان کا چاند نظر آتے ہی مسجدوں کو آباد کردیتی ہےاور شوال کا چاند نظر آتے ہی مسجدوں کو ویران کردیتی ہے، اور رمضان کے بعد صرف جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہی پابندی سے ادا کرتی ہے، جبکہ اللہ نے شریعت کے مطابق پانچ وقت کی نماز ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض کی ہے۔ مگران کے پاس نماز سے زیادہ جھنڈے، عَلَم اور درگاہوں کی اہمیت ہے، پھر قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور بہت سارے احکام جانتے بھی ہیں، لیکن غلو اور نفس کی خواہش پر اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کو یہ لوگ اپنی نفس کی خواہش پر تبدیل کرکے دین کے کچھ حصے کی پابندی کرتے ہیں اور بہت سے احکام کے خلاف چل کر اللہ کی باقاعدہ نافرمانی کرتے ہیں، کیا یہ طرزِ عمل یہود کی مشابہت نہیں رکھتا؟ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کسی شاعرہ نے کہا ؎

نمازیوں کا سیلاب آنے والا ہے — پتا چلا ہے کہ رمضان آنے والا ہے
اب مسجدوں کا دائرہ بڑا کرلو — ایک ماہ کا مسلمان آنے والا ہے

رمضان کے بعد مسجدوں کو ویران کر کے شریعت کا مذاق اڑا رہے ہیں، ہر سال با قاعدہ روزوں کا اہتمام کر کے رمضان کے بعد پھر جیسے تھے ویسے ہی بن جاتے ہیں، اگر روزوں اور جمعہ کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعیدیں نہ ہوتیں تو شاید پانچ وقت کی نماز کی طرح جمعہ اور روزوں کا اہتمام بھی کمزور انداز میں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق لوگ بھی پانچ وقت کی نماز ادا کرتے، مگر اس وقت ان مسلمانوں کی حالت ان سے بھی گئی گذری بن گئی ہے، نماز کی ہر رکعت میں زبان سے اللہ اکبر کہنے کے ذریعہ اللہ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں مگر عملی زندگی میں اللہ کی بڑائی میں زندگی نہیں گذارتے، ان کی پارلیمنٹ' عدالتیں اور حکومت کے قوانین' شادی کی رسمیں' کمانے اور خرچ کرنے کے طریقے، معاشرتی زندگی' معاملات والی زندگی، اخلاقیات والی زندگی' سب اللہ کی نافرمانی اور شریعت کے خلاف نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کو نفس کا بندہ اور نفس کو خدا بنانے سے سختی سے منع کیا ہے، اور اللہ نے مردوں کو نکاح کے لئے عورتوں کو مہر دینے کے ساتھ نکاح کرنے کی تعلیم دی ہے، اس کے باوجود مسلمان نکاح کرنے میں شریعت کے خلاف عمل کر کے عورت سے جوڑے کی رقمیں' سامانِ جہیز کے بغیر اور اعلیٰ شان وشوکت والی دعوتوں کے بغیر نکاح نہیں کرتے، اور نماز پڑھنے والے داڑھی رکھ کر اپنی اولاد کے نکاح سماج وسوسائٹی کے رسم ورواج پر ادا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شادی بار بار نہیں ہوتی، اور مسلمان ہو کر اپنے ہی مسلمان بھائی کا گھر شادی کے نام پر لوٹ رہے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کی پابندی ہے؟ کیا یہ عمل یہود کی نقل نہیں ہے؟ بغیر لین دین اور جوڑے وتلک کی رقمیں لئے بغیر کوئی شادی کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، سادگی سے نکاح کرنا مفلسی سمجھتے ہیں، پھر یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کر رہے ہیں، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے شادیوں میں برکت ختم ہوگئی، اللہ تعالیٰ ایسے نکاح سے اپنی رحمت اٹھا لیتے ہیں اور لعنت میں مبتلا کر دیتے ہیں، ایسے نکاح جب ٹوٹ جاتے ہیں یا طلاق ہوتی ہے، تو لڑکی والے بدلہ لینے کے لئے ڈوری (جہیز) کا جھوٹا مقدمہ غیر مسلموں کے قانون سے فائدہ اٹھانے کے لئے ڈالتے ہیں اور لاکھوں روپئے کی دولت وصول کر کے مقدمہ واپس لیتے ہیں، یا جھوٹی باتیں اور الزامات لگا کر داماد کو جیل میں بھیجنا یا اس کو کاروبار سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، کیا یہ شریعت کے خلاف یہود کا طرزِ عمل نہیں؟ ماں باپ ہونے کے ناتے اپنی اولاد کی تربیت نہیں کرتے۔ اللہ کی تاکید کے باوجود کہ ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ''، جنگلی جانوروں کی طرح اولاد کو بے شعور مسلمان بناتے ہیں، ان کو دنیادار بنا کر ان کی اور اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

بہت سے مسلمان محنت کرنے کے عادی نہیں ہیں، ان کو محنت کے مقابلے بھیک مانگنے میں آسانی سے پیسہ ملتا ہے، چنانچہ شریعت میں بھیک مانگنے سے سختی سے منع کیا گیا، پھر بھی بہت بڑی تعداد بھیک مانگ کر زندگی گذار رہی ہے، اور خود ایک فرد بھیک نہیں مانگتا، الگ الگ جگہ پر اپنے ہی بیٹا بیٹی بیوی اور ماں کو کھڑا کر کے پورے خاندان کو بھیک کا عادی بنا دیتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ گھروں میں خدمت کر کے پیسہ کما سکتے ہیں، محنت کرنا نہیں چاہتے، بے شعور مسلمان ایسے لوگوں کو بھیک دے کر عادی بنا دیتے ہیں۔

قرض لے کر واپس کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود واپس نہیں کرتے، وعدہ پر وعدہ کر کے جھوٹ بولتے ہیں، مقولہ مشہور ہو گیا کہ ''قرض حسنہ دینا' لینے گئے تو چپلیں گھسنا''، تاجر لوگ تجارت میں اضافہ کرنے کے لئے سود پر قرض لیتے ہیں، اور پھر دیوالیہ نکلنے کا بہانہ بنا کر قرض ڈبو دیتے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض ادا نہ کرنے پر شہید کی روح زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس میت پر قرض باقی رہ جائے اس کی نماز جناہ پڑھانے سے انکار کرتے تھے، اکثر

مسلمان یہ سب جانتے بوجھتے بھی شریعت کے خلاف چلتے ہیں، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد کیا یہی شریعت کی پابندی ہے؟ کیا یہ یہود کی طرح کا طرز عمل نہیں ہے؟

گھروں، دکانوں کو کرایہ پر لے کر خالی کرنے کے موقع پر مالک سے جتنا کرایہ ادا کیا ہے اس سے دو گناہ رقم وصول کر کے مکان یا دکان خالی کرتے ہیں، یا مالکِ مکان کو عدالت میں مقدمہ ڈالنے پر مجبور کرتے ہیں، اسی طرح غنڈے، دادا گیری کرنے والے پہلوان لوگ، مسلمانوں ہی کی زمینوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جھوٹے کاغذات کے ذریعہ دوسروں کو فروخت بھی کر رہے ہیں، دھوکے سے ایک زمین کو چار چار لوگوں کو فروخت کرتے ہیں، ڈوری کے نام پر جھوٹے مقدمے ڈالنا، یا مکان و دکان پر قبضہ کرنے کے لئے جھوٹا مقدمہ ڈالنا، یا قرض لے کر ڈوبو دینا، یا سودی قرض دے کر لوگوں کو معاشی اعتبار سے پریشان کرنا، ایسے لوگوں کا عمل یہ بتلاتا ہے کہ وہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھ کر اور آخرت کو مان کر بھی اللہ کو انصاف کرنے والا نہیں سمجھتے ہیں، اور صرف اپنی دنیا بنانا چاہتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ آخرت میں ان اعمال کے بدلے ان کو نیکیاں دینی پڑیں گی، یا گناہ لینا پڑے گا، اور شریعت کی خلاف ورزی پر ذلت اور شدید عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا منافق کی علامت ہے، آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جھوٹ اور ایمان ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں، جس کے پاس وعدہ کی پابندی نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔

مسلمان ہوتے ہوئے بغیر رشوت کے کام نہیں کرتے، رشوت لیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، اور قانون غلط بتلا کر ڈراتے ہیں، رشوت سے اولاد کو دنیا کی ڈگریاں دلا کر دنیا کمانے کے قابل بناتے ہیں، حالانکہ شریعت اسلامیہ نے رشوت، سود، دھوکہ، بے ایمانی، خیانت اور غبن کے ذریعہ مال حرام کھانے سے منع کیا ہے، مگر پھر بھی بہت سے لوگ مہنگائی کا بہانہ یا آمدنی کی کمی کا بہانہ بنا کر یہ سب بد اعمالیاں کرتے ہیں، پھر سونا، چاندی، رسم و

رواج اور عیش وعشرت کے سامان موٹر' بنگلہ اور گاڑی وغیرہ سے عیش کرتے ہیں، کم آمدنی میں سادہ زندگی گذارنا' غربت ومفلسی سمجھتے ہیں۔

شادی کے نام پر گھروں کو لوٹنے والے باقاعدہ اپنے لڑکے کی تعلیم پر جو دولت خرچ کرتے ہیں اور سامانِ زندگی کے ذریعہ وہ اولاد کی دنیا چمکدار بنانا چاہتے ہیں، بغیر آرزو اور ارمانوں اور رسوم ورواج کی شادی نہیں کرنا چاہتے، جبکہ یہ سب لوگ شریعت کے احکام جانتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان سے نسبت دی ہے، مگر سب زیادہ فضول خرچی کا مظاہرہ یہ مسلمان ہی کرتے ہیں، ان کی شادیاں کم خرچ والی نہیں ہوتیں۔

احادیث میں سود کو ماں کے ساتھ زنا بتلایا گیا ہے، پھر بھی سود کی شکلیں بدل کر منافع کے نام پر یا فکسڈ ڈپازٹ کے نام پر یا ہراج کی چٹھیوں کے نام پر یا رہن کے مکانات کے ذریعہ سود کھاتے ہیں، بہت سے لوگ ملک کو دار الکفر کہہ کر سود کا کاروبار کرتے ہیں، پھر یہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں، شریعت کے احکام صرف معلومات کی حد تک ہی جانتے ہیں، مگر عمل اپنی نفس کی خواہش پر یہود کی طرح کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں غنڈے اور دادا گیری کرنے والے شریعت الٰہی کے خلاف زمین' جائیداد یا دولت لوٹنے کے لئے یا آپسی دشمنی کے لئے یا کرایہ کے قاتل بن کر انسانوں کا ناحق قتل کرتے ہیں، یا ان کو مارتے پیٹتے ہیں، جبکہ اللہ نے ناحق قتل کو حرام کیا ہے، اور قتل کرنے پر جہنم ٹھکانہ بتلایا ہے، پھر بھی یہ لوگ شریعت کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔

عورتوں کے لئے پردہ' تقویٰ کی روح ہے، ہر مسلمان عورت کو شریعت کے یہ حکم معلوم رہتا ہے، اس کے باوجود عورتیں شریعت کے خلاف ماڈرن کلچر کو پسند کر کے بے پردہ یا آدھا پردہ کرتی ہیں، ان کو اللہ کے پاس جواب دہی کا احساس ہی نہیں رہتا، شریعت کی خلاف ورزی کر کے اسلامی معاشرے کو بے حیائی و بے شرمی اور زنا کو عام کرنے والا معاشرہ بنادیا۔ سوچئے! کیا یہ شریعت کی پابندی ہے؟ یا شریعت سے بغاوت ہے؟

شریعت نے عورت کے پورے جسم کو ستر یعنی چھپانے کی چیز قرار دیا ہے، عورتیں تقریباً باریک یا نیم برہنہ لباس پہنتی ہیں، یا مردوں جیسا لباس، یا مغربی کلچر والے لباس پسند کر کے اپنے جسم کی نمائش کرتی پھرتی ہیں، اور لباس ایسا استعمال کرتی ہیں جس سے بظاہر جسم کے تمام اتار چڑھاؤ پوری طرح نظر آتے ہیں اور دیکھنے والے کو جسم کی ہیئت کا اندازہ ہو جاتا ہے، کیا اس طرح شریعت پر ایمان کا دعویٰ صحیح ہے؟ اس طرح وہ شریعت کا حکم توڑ کر دنیا کے سامنے اسلام کی غلط تصویر پیش کر رہی ہیں، کیا یہ اللہ کے ساتھ بغاوت نہیں ہے؟ اور کیا یہ شریعت کے خلاف نفس کی خواہش پر چلنا نہیں ہے؟

اسلام نے عورت اور مرد کو غیر مسلم سے نکاح کرنے سے منع کیا ہے، مگر پھر بھی لوگ شریعت کے خلاف غیر مسلموں سے شادی کر رہے ہیں، جبکہ مسلمان کا غیر مسلم سے شادی کرنا حرام ہے، اور غیر مسلم کے ساتھ شادی شدہ کی زندگی گذارنا زنا ہے۔

زیادہ تر پڑھے لکھے نوجوانوں کا تکیہ کلام اور اندازِ گفتگو فحش کلامی اور گالی گلوج بنا ہوا ہے، لڑائی جھگڑے میں اندر کا شیطان ظاہر ہو جاتا ہے، انسانوں کے ساتھ عفو و درگذر کرنا، صبر کرنا، بزدلی تصور کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو دنیا کے سامنے آوارہ، جاہل، غنڈے، بد تہذیب معاشرے کے فرد ظاہر کرتے ہیں، اور دنیا کے غیر مسلم فلموں اور ڈراموں میں قاتل، ڈاکو، چور اور غنڈوں کا کردار مسلمانوں کو بتلا کر ظاہر کرتے ہیں اور مسلمان وہ رول ادا بھی کرتے ہیں، ہم خود اللہ کے احکام پر عمل نہ کر کے اپنی غلط تصویر دوسری قوموں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، داعی ہوتے ہوئے تعصب کا شکار ہوتے ہیں، ڈاکٹر ہوتے ہوئے مریضوں سے نفرت کرتے ہیں، حدیث پاک میں گالی گلوج کرنا منافق کی علامت بتلایا گیا ہے، اور سورۃ العصر میں اللہ نے حق کی وصیت کرنے اور صبر کرنے اور اس پر جمے رہنے کی تاکید کی ہے، مگر اللہ کے احکام پر نڈر بنے ہوئے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے جا رہے ہیں۔

اکثر ڈاکٹر اور وکیل جھوٹ بول کر مریض سے کافی پیسہ لے لیتے ہیں، اکثر مسلمان وکیل ہوتے ہوئے جھوٹے مقدمے لڑتے ہیں، جبکہ اللہ نے سورۂ نساء کی آیت: ۱۰۵ میں

میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيماً o تم دغابازوں کی وکالت مت کرو۔" ایسے وکیل جھوٹ کے ذریعہ مخالف پارٹی سے ساز باز کر کے اپنے مؤکل کو ناکام بنا دیتے ہیں، ایسے جھوٹے وکیل چور، زانی، قاتل اور مجرم کو بے قصور ثابت کرنے اور سزا سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اور وہ مقدمہ نہیں لڑتے بلکہ ڈارمہ کرتے ہیں۔

بعض ڈاکٹر اپنے کلینک سے خاص بڑے دواخانوں میں مریض کو بھیج کر وہاں سے کمیشن وصول کرتے ہیں اور غیر ضروری معائنے اور ٹسٹ وغیرہ کرواتے ہیں، یہ لوگ یہ سب حرکتیں احکامِ الٰہی اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہوئے کرتے ہیں۔

بعض عورتیں نرس بن کر مردوں کی تیمارداری اور خدمت کرتی ہیں، سیلس گرل بن کر دُکانوں اور شوروُمس میں مال فروخت کرتی ہیں، ایرہوسٹس اور ریسپشنسٹ بن کر مردوں سے بے جھجک باتیں کرتی ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتی ہیں۔

مسلمان درزی کپڑا زیادہ لے کر بچا ہوا کپڑا واپس نہیں کرتے، اکثر مسلمان تاجر مال کا نقص چھپا کر تجارت کرتے ہیں، اور گاہک سے وعدہ پر وعدہ کرتے ہیں، وقت پر مال نہیں دیتے، میکانک مشین یا گاڑی بنانے کے لئے جو پُرزے خراب نہیں ہوئے ہیں ان کو بھی خراب بتا کر جھوٹ بول کر وہ سامان منگواتے ہیں اور مشین میں ڈالتے بھی نہیں، پہلے سے لگا ہوا سامان ہی سروس کر کے ڈال دیتے ہیں، اور جھوٹ بول کر نئے سامان کے پیسے لیتے ہیں اور زیادہ خرچ بتلاتے ہیں، نوکر اپنی کمپنی یا دُوکان کے کام سے باہر جائے تو دس روپے کی جگہ پچاس روپئے کی جھوٹی رسید پیش کرتے ہیں،

تجارت میں گھی، دودھ اور شہد میں ملاوٹ کر کے فروخت کیا جاتا ہے، اکثر زمینات اور مکانات کے فروخت کرنے میں بے ایمانی سے لوگوں کو دھوکہ دے کر لوٹا جاتا ہے، اور مقدمات میں پھنسی ہوئی جائیدادیں دھوکہ بازی سی فروخت کی جاتی ہیں، جس سے خریدار خود مقدمات میں پھنس جاتے ہیں، یا عمداً اپنے آپ کو بچانے اور کسی دوسرے کو غلط مقدمات میں پھنسانے کے لئے ایسی جائیدادیں بیچی جاتی ہیں، آخر یہ کیسی دینداری ہے اور مسلمانیت ہے،؟ کیا اسی

طرح اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے؟ آخر یہود میں اور ہم میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے بظاہر مسلمانوں کے سامنے شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے نظر آتے تھے اور اللہ کے راستے میں مال بھی خرچ کرتے تھے، مگر پیچھے یہود سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور غلط منصوبے بناتے اور سخت مخالفت کا اظہار کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے میں یہود کی مدد کرتے تھے تاکہ مسلمان مدینہ میں شکست کھا کر ختم ہو جائیں۔

بہت سے منافقین تو مسلمانوں کے درمیان رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے متعلق مسلمانوں میں ہی شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، ظاہر میں ساتھ دے کر عین وقت پر الگ تھلگ ہو جاتے تھے، مسلمانوں کو کامیابی ملنے پر مالِ غنیمت کی لالچ میں ہمدردی جتاتے تھے اور ان کے ساتھ ہونے کا احساس دلاتے تھے۔

ہر زمانے میں بعض مسلمان جب بادشاہ بنے تو انہوں نے سوائے چند اسلامی احکام کے بہت سارے قوانین شریعت کے خلاف بنائے اور خلافِ شریعت حکومت کی، اور آج بھی بہت مسلم ممالک کے حکمران شریعت کے خلاف حکومتیں چلا رہے ہیں، شراب، ناچ گانا' بجانا' زنا اور عیاشی میں مبتلا رہ کر کئی کئی عورتوں سے نکاح کر رہے ہیں، ان کے علماء ان کی مرضی کے مطابق فتوی دیتے تھے، بعض لوگوں نے مسلمان ہوتے ہوئے اللہ کے قانون کے خلاف' خود اقتدار حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی خاندان کے بننے والے حق دار جانشین اور وارث کا قتل کیا، یا دوسروں کی مدد سے ان کی حکومت پر قبضہ کیا۔

ہر بادشاہ کے زمانے میں دشمن سے ساز باز رکھنے والے منافقین بھی ساتھ رہے، غیروں کی دوستی اور مدد کی وجہ سے اکثر مسلمان حکمران اسلامی شریعت کو نافذ کرنے میں مجبور اور محتاج بنے رہے، غیروں نے ان حکمرانوں کو زبردستی اپنا نمائندہ بنا کر حکومت کروایا، اگر کوئی دیندار قسم کا انسان حکمران بنتا تو اُسے اسی کے خاندان کے لوگوں سے قتل

کروادیا جاتا ہے یا فوجی سپہ سالار خود اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے قتل کر دیتے تھے۔

مسلم حکمرانوں کی عیاشیاں دیکھ کر رعایا جو مسلمان ہونے کے باوجود اسی طرز زندگی کو اختیار کر کے اعمالِ رذیلہ کا شکار رہتی تھی، ،صرف قرآن پر ایمان کا رسمی دعویٰ کر کے مکمل عبدیت و بندگی نہیں کرتی تھی، بہت سے مسلمان اس زمانے میں مرتد ہو کر ٹی پر بیانات دے کر دوسرے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

چنانچہ مسلم دنیا میں غیر مسلم حکومتوں کی مالی امداد پر مسلمان خود ان کی نمائندہ یا مخبر بن کر حکومت کا تختہ الٹ دیا اور عوام کا قتلِ عام کیا، جس کی انسانی تاریخ میں عراق، ایران، شام، لبنان، مصر، لیبیا، بوسنیا، چیچنیا، بنگلہ دیش، افغانستان وغیرہ کی جنگوں کی مثالیں ہیں، جہاں مسلمانوں نے خود مسلمان ہو کر کئی سالوں تک مسلمانوں ہی کا قتل عام کیا۔

حضرت عثمانؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مسلمانوں نے ہی شہید کیا، بعد کے دور میں بنو امیہ اور بنو عباس کی جنگوں میں مسلمان ایک دوسرے لوٹنے لگے اور مسلمان عورتوں کی ہی عصمت ریزی کی گئی۔ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے جزیرۃ العرب کے ٹکڑے کئے گئے اور ترکوں میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے مسلمانوں کو شریعت کے خلاف چلایا۔

مسلمانوں کی بے دینی اور شریعت کے خلاف چلنے پر تاتاری ان پر مسلط کئے گئے اور دریائے دجلہ کو خون سے آلودہ کر دیا۔ ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے مسلمان ہوتے ہوئے نئے دین کی بنیاد ڈالی، اور مسلمانوں کو غیر اسلامی رسوم و رواج سکھائے، دنیا پرستی کا عادی بنانے کے لئے غیر اسلامی اعمال کا مزہ لگایا۔

آج بھی کوئی مسلم حکمران ملک میں غیر اسلامی قانون نافذ کرے تو مسلمان رعایا شریعت کے احکام جاننے کے باوجود اپنے حکمران کا خوشی خوشی ساتھ دیتی ہے، کوئی احتجاج نہیں کیا جاتا، اللہ کی بغاوت میں خوشی سے شریک ہوتی ہے۔ برسوں سے مسلمانوں کا یہی حال ہے اور آج بھی شریعت کی پابندی کا کوئی شعور ہی نہیں ہے، جن چیزوں میں نفسانی خواہشات پوری

نہیں ہوتیں یا جن چیزوں سے دنیا میں نقصان ہوتا نظر آتا ہے یا جو چیز سماج اور سوسائٹی کے خلاف نظر آتی ہے یا نفس پر شاق گذرتی ہو اس کے مقابلے دین کی چاہے کتنی ہی خلاف ورزی ہو جائے' دین کی کتنی ہی شکل بگڑ جائے، دنیا کے فائدے کے لئے جان بوجھ کر شریعت کے احکام کے خلاف چلتے ہیں، اور کھلے طور پر اللہ کی بغاوت و نافرمانی کرتے ہیں۔

اسلام' ایمان والوں سے مکمل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے، جزوی اور وقتی اطاعت یا نامکمل اطاعت قبول نہیں کی جاتی، نفس کی اطاعت کرنے سے سختی سے منع کیا ہے، آدھے تیتر اور آدھے بٹیر بنے رہنے کو پسند نہیں کرتا۔ آدھے ایمان والے اور آدھے غیر ایمان والے بنے رہنے سے مسلمان نہیں کہلاتے، اسی لئے اللہ نے مذکورہ آیات میں یہود کی مثال پیش کر کے مسلمانوں کو بھی ان کی طرح قانونِ الٰہی کی بعض باتوں پر عمل کرنے اور بعض باتوں پر نفس کی خواہش یا سماج و سوسائٹی کے طریقوں پر چلنے اور شیطان کی پیروی سے منع کیا ہے، ورنہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونے کو سمجھا رہا ہے۔

اکثر مسلمان برسوں سے ان آیات پر نگاہ نہ رکھنے کی وجہ سے پوری دنیا میں اسلام میں پورے پورے داخل نہیں ہوئے، اور آخرت کمانے کے بجائے دنیا کے دیوانے بن کر ذلت و رسوائی میں مبتلا ہو رہے ہیں، اللہ کی مدد و نصرت سے محروم ہیں، اس کی سب سے بڑی اور اصل وجہ صرف جزوی' وقتی اور نامکمل اطاعت اور جان بوجھ کر شریعت کی خلاف ورزی ہے، اس لئے کم سے کم آیت کے اتنے حصے کو یاد رکھ کر زندگی گذاریئے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ .

ترجمہ: کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے ہماری کتاب ''روزہ رکھنے کے باوجود تقویٰ کیوں پیدا نہیں ہو رہا ہے؟'' دیکھئے۔

☆☆☆☆☆

اہل کتاب ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے اور کہتے ہیں

وَ قَالَتِ الْیَهُودُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰی لَیْسَتِ الْیَهُودُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُمْ یَتْلُونَ الْکِتَابَ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُونَ ٥ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا أُوْلٰٓئِکَ مَا کَانَ لَهُمْ أَنْ یَّدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِیْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ٥ (البقرہ:۱۱۳،۱۱۴)

ترجمہ: اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انہوں نے بھی اِن (اہلِ کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کردی ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ٥ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی پابندی لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں' مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا ٥

اللہ نے ان آیات میں بنی اسرائیل کے ان دونوں گروہوں کے اختلاف اور گمراہی کے تصور کو ظاہر کر کے ان کی اصلاح کی تعلیم دیتے ہوئے' قیامت تک امت مسلمہ کے لئے مثال بنا کر' ان کی حالت کو ذہن میں رکھنے اور ان کی طرح روش اختیار نہ کرنے کی گویا تاکید فرما رہا ہے'

کہ کہیں امت مسلمہ بھی کتابِ الٰہی اپنے پاس رکھتے ہوئے کتاب کے احکام جانتے ہوئے انہی کے نقشِ قدم پر نہ چلیں، ان ہی کی طرح بیوقوفی کرکے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔

بنی اسرائیل کو اللہ نے دو ہزار سال کا موقع عطا فرمایا، اور پوری دنیا کی قوموں پر فضیلت عطا کی تھی، ان کی ابتداء حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے شروع ہوئی اور ان کے دور کا اختتام بھی دو نبیوں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے بعد کردیا، حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کئی سو پیغمبران میں بھیجے، ان میں بہت سوں کو بادشاہت بھی دی گئی، مگر بنی اسرائیل نے کتاب سے ناتا توڑا، شریعت کی ہر مرتبہ خلاف ورزی کرتے رہے، کتاب الٰہی کے احکام کے معنٰی و مفہوم بدل ڈالا، اللہ کے احکام کی جگہ ان کے علماء نے اپنے ذہن و دماغ سے قانون بنا کر اللہ کی طرف منسوب کئے اور قوم کو بدعات و خرافات میں مبتلا کردئے، کتاب الٰہی کو جادو ٹونا، شیاطین کو بھگانے، جھاڑ پھونک کی کتاب بنا ڈالا، ایصال ثواب کی حد تک پڑھتے تھے، جو لوگ اس کے احکام سے واقف رہتے تھے وہ جان بوجھ کر اُن احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے، بہت سے لوگ کتاب الٰہی نہ پڑھتے نہ احکام جانتے تھے، بس دل کی خواہش اور ماں باپ، سماج و معاشرے کی جاہلانہ رسموں کو دین سمجھ کر عمل کرتے، آہستہ آہستہ وہ کئی گرہوں میں تقسیم ہوتے گئے، ہر گروہ اپنے اپنے گمراہ پیشواؤں کی غلط ترغیبات پر تورات کے احکام سمجھ کر عمل کرنے لگا، آج بھی ان کا یہی حال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخر میں ان کی سدھار اور اصلاح کے لئے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو بھیجا، مگر یہود نے حضرت موسیٰؑ سے محبت کے غلو میں ان دونوں پیغمبروں کا انکار کیا اور حضرت یحییٰؑ کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو بھی قتل کرنا چاہا، مگر چونکہ حضرت عیسیٰؑ رسول تھے، اور رسول کو کوئی قتل نہیں کرسکتا، اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

حضرت عیسیٰؑ چونکہ یہود کی اصلاح کے لئے انجیل لائے تھے، مگر یہود نے حضرت موسیٰؑ کے غلو میں ان کا انکار کیا، حضرت عیسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل خاص طور پر دو گروہوں یہود اور نصاریٰ میں بٹ گئے اور دونوں حضرت ابراہیمؑ کو مانتے، مگر یہود اپنے آپ کو حضرت

موسیٰؑ کی امت سمجھتے اور نصاریٰ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی امت سمجھتے ہیں، اور دونوں نے دین ابراہیمی کے بجائے دو نئے مذاہب بنالئے، پوری دنیا کے دوسرے انسانوں کو گمراہ اور بے دین سمجھتے، اللہ کے لعنتی تصور کرتے اور اپنے آپ کو جنتی مانتے ہیں، یہود تو خاص طور پر اپنے آپ کو پیغمبروں، ولیوں اور بزرگوں کی اولادیں سمجھ کر جنت کے ٹھیکے دار تصور کرتے ہیں، نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانے بغیر نجات کا تصور نہیں رکھتے۔

یہود نصاریٰ کو گمراہ سمجھتے ہیں، اس کی ضد میں نصاریٰ یہود کو گمراہ کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں، بے بنیاد ار گمراہ ہیں، یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس کوئی بنیاد نہیں، وہ گمراہی پر ہیں، ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں، حالانکہ دونوں کے پاس تورات وانجیل موجود ہے، اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور بھی عہد نامہ قدیم **Old testament** کے نام سے پڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ انجیل میں دونوں رسولوں اور دونوں کتابوں اور قرآن مجید کی تصدیق موجود ہے، جو کہ دین ابراہیمی کی بنیاد ہے، ان دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت میں اور دنیا کے مال ومتاع کی خاطر دین کی اصل روح توحید ہی کو بدل ڈالا اور باقاعدہ الگ الگ مذاہب کے نام پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، پھر ایک دوسرے کو جہنمی سمجھتے ہوئے دنیا کی دوسری تمام قوموں کو گمراہ، لعنتی اور جہنمی تصور کرتے ہیں، غلو میں آکر اپنے اپنے پیغمبروں کی اندھی محبت میں حق کو جانتے ہوئے حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اور ساری دنیا کے دوسرے انسانوں کو مذہب کے نام پر باطل عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں اور گناہ پھیلا رہے ہیں، اس کے باوجود اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہیں۔

یہود حضرت موسیٰؑ اور تورات کے غلو میں اللہ کے حکم کے خلاف حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انجیل وقرآن کو نہیں مانتے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے غلو میں یہود کو گمراہ کہتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو نہیں مانتے، دونوں دین کی اصل روح و بنیاد ہی کو بھولے ہوئے ہیں، جنت میں جانے کی اصل روح خالص ایمان ہی سے دور ہیں، آخرت کو برائے نام مان کر پوری محنت دنیا حاصل کرنے پر کر رہے ہیں،

وہ آخرت میں جواب دہی کا احساس ہی نہیں رکھتے، دونوں کے نزدیک خالص توحید کا تصور ہی غائب ہوگیا، اور وہ اللہ کی پہچان ہی سے دور ہیں۔

یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں، اور خدا کے ساتھ یہ تصور رکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ میں اور خدا میں رات بھر کشتی ہوئی، آخر میں خدا نے تھک کر حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل کا لقب دیا اور ان سے چھٹکارا پایا، وہ یہ بھی تصور رکھتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفانِ نوح سے لوگوں کے موت کے حوالے ہوجانے پر روتے روتے خدا کی آنکھیں سوج جانے پر فرشتے آکر دلاسا دئے، دونوں گروہوں نے کتاب الٰہی میں تحریف اور تبدیلیاں کرکے پیغمبروں کو خدا کا مقام دے دیا، پیغمبروں پر تنقیدیں کیں یا خدا کو مخلوق بنا ڈالا، اور کتاب الٰہی کے احکام شرک نہ کرنا، شراب نہ پینا، سور نہ کھانا، زنا نہ کرنا، بے پردہ نہ رہنا، سود نہ کھانا، ناحق قتل نہ کرنا، ناجائز مال نہ کھانا، گویا بہت سی حرام چیزوں کو حلال کرلیا۔

نصاریٰ باوجود انجیل' تورات' زبور' نیا اور قدیم عہدنامہ کے نام پر پڑھتے ہیں، مگر حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، اس گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی تعالیٰ کے صفات ہی سے واقف نہیں جو قوم چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو اللہ کے صفات کے ذریعہ معرفت نہیں رکھتی، وہ شرک کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، یہود و نصاریٰ میں کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مخلوق نہیں تھے بلکہ باپ کی طرح قدیم تھے، کوئی کہتا کہ عیسیٰؑ اور ان کی ماں اللہ کے علاوہ دو خدا ہیں، کوئی کہتا ہے کہ مسیح باپ سے اس طرح پیدا ہوئے جس طرح آگ سے آگ کا شعلہ، یعنی ایک شعلہ سے دوسرا شعلہ پیدا ہوتا ہے، کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اصل شعلہ' دوسرے جدا ہونے والے شعلے کی وجہ سے کم ہوگیا، کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت مریمؑ حاملہ نہیں ہوئیں، یعنی دس مہینے تک حضرت عیسیٰؑ کو اپنے پیٹ میں نہیں رکھا بلکہ حضرت عیسیٰؑ آپ کے پیٹ سے اس طرح ہوکر نکل آئے جس طرح پانی 'پَر نالے سے نکل آتا ہے، اس لئے کہ کلمہ آپ کے کان میں داخل ہوا اور وہاں سے نکلا جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ عمل فوراً ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ انسان تھے اور وہ انسانی جوہر سے پیدا ہوئے، ان کے ساتھ اللہ کی رحمت شامل ہوگئی اور اپنی مرضی سے اس میں حلول کرگئی، اسی وجہ سے ابن اللہ کا لقب انہوں نے پایا، ان لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کا جوہر قدیم ہے، اور ایک ہے، بعض کہتے ہیں کہ اللہ کے تین نام ہیں، یہ لوگ کلمہ، روح القدس پر ایمان نہیں لاتے، بعض کہتے ہیں کہ ان میں تین خدا تھے، اب بھی ہیں، جو لوگ صالح، انصاف پسند اور صحیح عقیدہ رکھتے ہیں اور فطرتاً یہ کہتے تھے کہ وہ صرف باپ کو الٰہ سمجھتے ہیں، اور حضرت عیسیٰؑ کو مخلوق کہتے تھے، اور آج بھی نصاریٰ میں سلیم الفطرت لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا نہیں مانتے، ایسے لوگوں پر ظلم ڈھائے گئے، ان کو گمراہ تصور کیا گیا، اور آج بھی گمراہ تصور کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ روح القدس کو اللہ کی روح مانتے ہیں، حالانکہ روح اللہ کے معنیٰ اللہ کی نشانی کے ہیں، ان میں باپ، بیٹے اور روح القدس پر مشتمل تثلیث قائم کرلی گئی اور اس کی نشانی گلے میں ڈال کر اپنے آپ کو نصاریٰ ظاہر کرتے ہیں، مگر تثلیث کے عقیدہ کو سمجھا نہیں سکتے، بعض کہتے ہیں کہ بی بی مریمؑ کا کام صرف حضرت عیسیٰؑ کو جنم دینا تھا، پھر وہ دنیا داری میں لگ کر شادی کرلی، ان کی اس شخص سے اور بھی اولادیں ہوئیں، ان میں دو بڑے گروہ بن گئے، ایک کیتھولک اور دوسرا پروٹسٹینٹ، ایک حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویر اور مورتی سامنے رکھ کر مشرکوں کی طرح بت پرستی کرتا ہے، دوسرا گروہ تصویر اور مورتی بنانے کا مخالف ہے، اب یہ تین فرقوں میں تقسیم ہوگئے ہیں، تیسرے کو آتھوڈوکس کہتے ہیں، آتھوڈوکس دونوں فرقوں کو گمراہ کہتے ہیں، ان فرقوں کے چرچ الگ الگ ہیں، کوئی ایک دوسرے کے چرچ میں نہیں جاتا، پھر ان میں بھی کالوں اور گوروں کے چرچ الگ الگ ہیں، یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے خدا کا نام لینے کے بجائے حضرت عیسیٰؑ کا دم بھرتے ہیں، پھر باقاعدہ اتوار کے دن انجیل کا درس عورت مرد مل کر لیتے ہیں، عورتیں بھی مردوں کو درس دیتی ہیں۔

یہ لوگ امتِ محمدیہ کو گمراہ تصور کرتے ہیں، اپنی عبادت گاہوں میں مسلمانوں کے خلاف زبردست نفرت، تعصب اور عداوت پیدا کرنے والی تقریریں کرتے ہیں، امت

مسلمہ کو گمراہ اور لعنتی کہتے ہیں، مسلمانوں کو جاہل، قاتل، ڈاکو، بے رحم، عورتوں پر ظلم کرنے والے، بداخلاق اور لٹیرے سمجھتے ہیں، عوام کو مسلمانوں سے دور رہنے کے لئے کہتے ہیں، مسلمانوں کی مخالفت میں باقاعدہ لٹریچر تیار کر کے لائبریریوں میں رکھے ہوئے ہیں، اپنے مبلغین کو بے شعور اور بے علم مسلمانوں کے عقائد میں گڑبڑ پیدا کرنے اور ان میں باقاعدہ مخالف جماعتیں بنا کر اختلافات پیدا کرنے کے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں، دنیا کی عورتوں کو مساوات کے نام پر مردوں کے درمیان نکلنے اور بے پردہ ہو کر نوکری کرنے کی ترغیبات کو عام کرتے رہتے ہیں، پردہ کرنے کو ظلم اور قید تصور کرتے ہیں۔

ہر زمانے میں ان کی اس انداز کی بداعمالیوں پر ان کو ان کے مقام سے معزول کر دیا گیا اور مغضوب وضالّین کہا گیا، ان میں ایک زمانے تک شخصی دشمنی تھی، عیسائی بادشاہوں نے 6/لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور عورتوں بچوں کو غلام بنا کر قید کیا، ہیکل سلیمانی کو گرادیا، یوقانیوں نے یہودیوں کی خوب پٹائی کی، ہیکل سلیمانی آج تک گرا ہوا ہے، یہ گویا ان کا کعبہ تھا، آج صرف دیوار گریہ کے پاس یہودی جا کر روتے اور ماتم کر لیتے ہیں، رودھو کر گناہ معاف ہونے کا تصور رکھتے ہیں، ان پر اللہ نے جو خیر امم اور اکرام وفضیلت دی تھی، جتنی عزت دی تھی وہ سب ختم کردی گئی، ایک زمانے پر ان کو یروشلم جانے کی اجازت بھی نہیں تھی اور نہ پوری دنیا میں ان کی کوئی مستقل حکومت تھی، آج عیسائی اور یہود محض اسلام کی مخالفت میں دوست بنے ہوئے ہیں، عیسائیوں ہی کی ایماء پر اسرائیل میں اپنی حکومت چلا رہے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ یہ دونوں کتاب الٰہی پڑھتے ہیں مگر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں، حق کو مٹانے کی دونوں کوشش کر رہے ہیں۔

ہر زمانے میں یہود کے علمائے سوء نے کتاب الٰہی کو اپنی مرضی سے تحریف کرتے گئے اور دنیا کے مفاد میں کتابِ الٰہی کے احکام کے بجائے اپنے بنائے ہوئے احکام کو اللہ کے احکام کہہ کر عوام کو گمراہ کیا، کتاب کے الفاظ کے غلط معنٰی سمجھائے، قرآن مجید نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر بنا کر مبعوث ہو جانے کے بعد جب انہوں نے

رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کو ماننے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مقام و مرتبہ سے معزول کر کے امت مسلمہ کو وہ مقام دے دیا، اور ان پر قیامت تک لعنت کرتے ہوئے مغضوب اور ضالین کہہ کر امت مسلمہ کو ان کے راستے سے بچنے کی دعاء مانگتے رہنے کی تعلیم دی۔

قرآن مجید نازل ہونے کے بعد جب یہ دونوں اسلام کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے مٹانا چاہ رہے ہیں، تو ان کو سدھرنے سنبھلنے کے لئے یہ کہا کہ اب بھی وہ حضرت محمد ﷺ اور قرآن کو مان لیں گے تو دنیا میں بے عزتی اور ذلت ولعنت سے محفوظ رہیں گے، ورنہ ان کو وہ پہلے جیسا اکرام وعزت اور مقام و مرتبہ نہیں مل سکتا، اس کے باوجود یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے زبردست دشمن ومخالف ہیں، اور ایک دوسرے کو بے دین گمراہ سمجھتے ہیں، یہود حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ زنا سے پیدا ہونے اور حضرت مریمؑ پر زنا کا الزام لگانے اور حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے باوجود ایک نے اپنا قبلہ مشرق اور دوسرے نے مغرب کو بنالیا، اپنی اپنی عبادت گاہیں بھی الگ الگ بنائیں، دونوں ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں نہیں جاتے اور ان کے عبادات کے طریقے بھی الگ الگ ہیں، مگر دین اسلام کی مخالفت اور دشمنی میں وہ بظاہر کئی سالوں سے ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہیں، جبکہ مسلمان حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ادب واحترام عزت ومحبت کرتے ہیں اور بی بی مریمؑ کو پاک مانتے ہیں، مگر یہ مسلمانوں ہی کو جھٹلاتے اور نفرت کرتے ہیں۔

جنگ احزاب سے پہلے یہود کا سردار کعب بن اشرف مکہ جا کر مشرکینِ مکہ کو مدینہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور مدد کرنے کا پیشکش کیا، مشرکین نے اس سے کہا کہ تم اور مسلمان دونوں آسمانی کتاب کے دعویدار ہو اور ایک دوسرے سے معاہدہ کئے ہوئے ہو، پھر تم ہماری مدد کیسے کرر ہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ نہیں تم لوگ مسلمانوں سے بہتر ہیں، گویا اسلام کو مٹانے کے لئے بت پرستی کی تعریف کی۔ ان آیات میں یہ بھی کہا گیا کہ جو لوگ بت پرست تھے ان کے پاس نہ کتاب ہے اور نہ شریعت، محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں جہالت اور گمراہی پر زندگی گذارنے کے باجود اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہیں اور سب کو گمراہ تصور کرتے ہیں، یہی حال

آج بھی مشرکین کا ہے، یہود و نصاریٰ کو اچھا سمجھتے ہیں، ان کے دوست و ہمدرد بنتے ہیں، ان سے اتحاد میں شامل ہو کر اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں، ان کا فیصلہ آخرت میں اللہ کرے گا۔

اس آیت سے مسلمانوں کو بھی اپنا جائزہ لینا ہوگا

قرآن مجید تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے، نازل ہونے کے بعد پچھلی تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے منسوخ کردی گئیں اور کھلے طور پر یہ تعلیم دی گئی کہ چاہے مسلمان ہوں' چاہے یہودی یا نصاریٰ یا مجوسی ہوں' ان کی نجات آخرت میں اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر قرآن مجید ہی کے مطابق زندگی گذاریں اور رسول اللہ ﷺ کو آخری پیغمبر مان کر ان کی اتباع کریں، مگر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بنی اسرائیل کی طرح باپ دادا کی اندھی تقلید میں پیدائشی طور پر مسلمان بنی ہوئی ہے۔

اور بنی اسرائیل کی طرح سماج سوسائٹی اور باپ دادا کی اندھی تقلید میں دین کی شکل بگاڑ رہی ہے بدعات و خرافات کو دین سمجھ کر ان کا باقاعدہ اہتمام کر کے دنیا کے سامنے دین کا غلط مظاہرہ کر رہی ہے، بنی اسرائیل کی طرح ان کو بھی توحید اور شرک کا فرق ہی نہیں معلوم ہے، وہ بت پرستی، سورج' چاند' زمین' ہوا اور پانی کی پرستش تو نہیں کرتے مگر غلو میں قبر پرستی' جھنڈا پرستی' تعزیہ پرستی' علموں' چھلوں اور درگاہوں پر منتیں و مرادیں مانگتے ہیں، اور قبروں پر رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، ان پر جانور ذبح کرتے ہیں۔

غیر اللہ کی بھی بڑائی میں یا رسول اللہ ﷺ المدد' یا علی المدد' یا حسین المدد' یا غوث المدد' یا خواجہ المدد کہتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں غلو میں گرفتار ہو کر شاعر آپ ﷺ کو خدا کے برابر یا خدا سے بڑھ کر مقام بنا دیتے ہیں اور یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے دور رہ کر بنی اسرائیل کی طرح اپنے آپ کو جنتی اور دوسری قوموں اور مسلمان جماعتوں کو گمراہ اور دوزخی و لعنتی سمجھتے ہیں، قرآن مجید کو ثواب کی کتاب' جادو ٹونے کی کتاب' میت پر پڑھنے کی کتاب ہی کی حد تک یا برکت کی کتاب سمجھ کر احترام کرتے ہیں، کبھی اس سے ہدایت حاصل کرنے کی فکر نہیں رکھتے، ان کو خالص اللہ کا نام لینا چڑ پیدا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے صرف محبت کا اظہار زبانی کرتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے عیسائیوں کی طرح یہ یارسول اللہ! کہتے ہیں اور اللہ کے علاوہ یارسول اللہ کہہ کر دعاؤں میں رسول اللہ کو پکارتے ہیں، اور مساجد میں یا اللہ اور یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہیں، اللہ ورسول کے مقام کو مساوی کر دیتے ہیں، رسول ﷺ کو اور اپنے اپنے بزرگوں کو ہر جگہ حاضر وناظر جانتے ہیں۔

اسلامی احکام کے خلاف رمضان اور بقرعید سے ہٹ کر ہر مہینے کی عیدیں مناتے ہیں، پانچ وقت کی نماز کے بجائے صرف جمعہ کی نماز ادا کر لیتے ہیں، ان کے واعظین اور علمائے سوء ان کو اہل حق سے دور رہنے اور ان کو گمراہ تصور کرنے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ رکھنے والے ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر چل کر خالص توحید رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت رکھ کر ہر کام میں آپ کی اتباع کرتے ہیں انہی کو یہ گمراہ کہتے ہیں، اور عام مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، اس وجہ سے لوگ کئی گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں، یہود ونصاریٰ کی طرح یہ بھی صرف اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو جہنمی تصور کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے فرقوں کی طرح یہ لوگ بھی اپنی اپنی مسجدیں الگ الگ فرقوں اور مسلکوں کے نام سے بنا رہے ہیں، مسجدیں فرقوں کے نام سے بنا رہے ہیں، ان پر اپنے اپنے مسلک کے نام لکھ دیتے ہیں تاکہ دوسرے مسلک والے نہ آئیں، اپنے مسلکوں کے مدرسہ کھول کر قرآن مجید کی تعلیم کے نام پر اپنے اپنے مسلکوں کی تعلیم دیتے ہیں اور انہی عقائد اور مسائل پر اپنے اپنے علماء تیار کرتے ہیں، بعض تو صحابہؓ پر تنقیدیں کرتے ہیں اور گالیاں بھی دیتے ہیں، اور کلمہ پڑھنے والوں کو بغض ونفرت کے تحت کافر اور مشرک بھی کہتے ہیں اور خود کو جنتی سمجھتے ہیں، پھر یہود کی طرح آخرت میں اپنے بزرگوں، ولیوں کی شفاعت سے یارسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے کے ناتے جنت کے حقدار کہتے ہیں، ان کے عقائد زیادہ تر یہود ونصاریٰ جیسے ہیں وہ صحابہ جیسے عقائد سے دور ہیں، مسجد کا احترام نہ کر کے لڑائی جھگڑا اور چیخ وپکار کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ کے اسی رکوع میں آگے یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی مسجدوں میں داخلے اور اللہ کا نام لینے سے منع کیا اور کوشش کی کہ

مسجدوں کو ویران کریں اور اُجاڑ دیں، مساجد کو لڑائی اور جھگڑے کا دنگل بنا دیا ہے۔

یہ اشارہ خاص طور پر مشرکین مکہ کی طرف کرتے ہوئے بیان کیا جارہا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو صلح حدیبیہ کے وقت عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، عمرہ کی اجازت نہیں دی تھی، اس وقت اکثر مساجد میں خالص اللہ کی توحید، درسِ قرآن اور دعوت و تبلیغ کرنے سے منع کیا گیا، اکثر مسجدوں کی کمیٹیوں میں جاہل لوگ شامل ہیں۔

اس سے ہمیں یہ بھی سبق لینا چاہئے کہ مسلمانوں نے اللہ کے گھر مسجدوں پر اپنی اپنی جماعتوں' مسلکوں کی اجارہ داری قائم کرلی ہے، اور اکثر مساجد کی کمیٹیوں کے ارکان امام کو پابند کیئے ہوئے ہیں کہ وہ شرک اور خالص توحید پر بیانات نہ کریں، زیادہ تر بزرگوں کے قصے کہانیاں شرکیہ عقائد کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، جن مساجد میں توحید پر خطابات نہیں ہوتے وہاں زیادہ تر مسلمانوں کے عقائد میں قبر پرستی' جھنڈا پرستی' علم پرستی' اور ان کے سامنے رکوع وسجدہ، منتوں' مرادوں اور مسلکوں پر ہی بیانات ہوتے ہیں، کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات' انعامات' رحمتوں اور اس کی کبریائی اور قدرت پر کوئی تقریر نہیں ہوتی، نہ اللہ کی صفات کو کائنات کی چیزوں میں سمجھایا جاتا ہے، نہ قرآن مجید کے دروس ہوتے ہیں' حالانکہ عوام میں ایمان کمزور ہوتا ہے، تقلیدی' بے شعوری' قانونی اور باپ دادا کی اندھی تقلید والا ایمان ہوتا ہے، ان کو صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تعارف ہی نہیں کروایا جاتا، قبروں پر عرس کے ذریعہ شرکیہ کاموں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، مردوں سے زیادہ عورتوں کو جمع کیا جاتا ہے۔

بعض مساجد میں کوئی غیر مسلک والا مسجد میں آجائے تو مسجد کے ناپاک ہونے کا تصور کر کے مسجد کو دھویا جاتا ہے، مسجدوں میں اللہ کی بڑائی کے بجائے بزرگوں کی بڑائی بیان ہوتی ہے، جس طرح یہود' نصاریٰ کو گمراہ اور نصاریٰ' یہود کو گمراہ کہتے ہیں اسی طرح امت مسلمہ کے یہ لوگ ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں، بعض کا یہ عالم ہے کہ کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی جا کر وہاں جماعت کی نماز میں شریک نہیں ہوتے، بہت ساری مساجد میں اپنے مسلک سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسجدیں بھری ہوں گی مگر ہدایت سے خالی

ہوں گی، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا، اس کے علماء جو اس آسمان کے نیچے سب سے بہترین انسان ہوں گے' فتنہ وفساد انہی سے ظاہر ہوگا، مفہوم یہ کہ یہ لوگ اپنے اپنے فرقے کے لوگوں کو بھڑکائیں گے اور فتنہ وفساد برپا کریں گے، اس وقت مسلمانوں کی اکثریت اس حالت پر آچکی ہے، جب مذہب اور دین' پیشہ بن جائے گا تو یہ سب ہوگا۔

ان آیات پر اگر ہم غور کریں گے تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان کا ہر گروہ قرآن وحدیث اپنے پاس رکھتا ہے اور رات دن تلاوت کرتا ہے، دروس دیتا ہے، مگر بنواسماعیل اور بنواسرائیل کی طرح فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اور ان کی طرح کئی فرقے بن گئے ہیں جو ایک دوسرے کو گمراہ کافر اور جہنمی سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام تک نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو کافر کے فتوے دیتے ہیں، ان کے مدرسے اور علماء بھی وہی الگ الگ فرقوں کی ذہنیت رکھتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث اصلی حالت میں موجود ہے اور وہ ان کی تلاوت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر گروہ اپنا نبی مانتا ہے، مکہ مدینہ جاتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، وہ ایک ہی کلمہ پڑھتے ہیں۔

اکثر مسلمانوں کی عقل وفہم کی کمی کا یہ حال ہے کہ قرآن وحدیث میں جو جو واقعات اور بداعمالیاں بنی اسرائیل کی یہود ونصاریٰ کی بیان کی گئی ہیں مسلمان ان کی تلاوت کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کی اصلاح اور درستگی کے لئے بیان کر رہا ہے ہمارے لئے نہیں، چنانچہ بہت سارے واعظین بھی یہود ونصاریٰ کے واقعات بیان کر کے مسلمانوں کو عبرت ونصیحت نہیں دلاتے، جس کی وجہ سے اکثر مسلمان قرآن کی تلاوت کرنے اور دروس سننے کے باوجود اپنی اصلاح نہیں کرتے، وہی نافرمانی اور بغاوت پر قائم رہتے ہیں۔

کلمہ گو ہونے کے ناتے سارے مسلمانوں کے ساتھ وسیع النظری' کلمہ کی بنیاد پر احترام وتعظیم اختیار نہیں کرتے، تنگ نظری، آپس میں جماعتی اور مسلکی تعصب کے ساتھ رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر مسلک کا قبلہ الگ الگ ہوتا جا رہا ہے، ان آیات پر نظر رکھ کر صحیح ایمان والے بنئے۔

ایمان والے کو سب سے زیادہ اللہ سے محبت ہوتی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ (البقرہ:١٦٥)

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ سے بڑی گہری اور شدید محبت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جو حقوق بندوں پر ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کریں، مخلوقات کی محبت کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے، یہ انسان کا فطری تقاضا بھی ہے، اس لئے کہ وہ وہی سب نعمتیں عطا کرنے والا ہے، دنیا کی تمام چیزوں سے محبت خالص اللہ تعالیٰ کی محبت کے تحت کرے، اس لئے انسان بحیثیت بندہ اور غلام ہونے کے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی سے محبت نہ کرے، نہ اللہ کے برابر کسی سے محبت کرے، اگر اللہ سے بڑھ کر یا اللہ کے برابر کسی سے محبت کیا تو یہ اللہ کے حقوق میں شرک ہوگا، جو لوگ ایمان نہیں رکھتے مشرک ہوتے ہیں، وہ اللہ سے بڑھ کر مخلوقات سے محبت کرتے ہیں، اسی محبت میں مخلوقات کی بڑائی اور تعریف کرتے ہیں، مسلمانوں میں بھی بعض لوگ ایمان کی صحیح تعلیم کے نہ ملنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ سے بڑھ کر محبت کرنے میں غلو کر کے خدا کے برابر ملا دیتے ہیں، یہود نے حضرت عزیرؑ کے ساتھ غلو کیا اور ان کو خدا کا بیٹا بنادیا، اور عیسائی، حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اللہ سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرنے اور پکارنے کے بجائے حضرت عیسیٰؑ کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں، اور ان کی اور ان کی والدہ کے خیالی مجسمے بنا کر ہر روز ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ محبت میں غلو اور گمراہی ہے۔

چنانچہ جن لوگوں کو ایمانیات کی تعلیم صحیح نہیں ملتی وہ اللہ کی محبت پر مخلوق کی محبت کو غلبہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ کی محبت برائے نام صرف زبان کی حد تک ہی ہوتی ہے

اوراللہ کی محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، حالانکہ وہ اللہ کی نعمتوں میں رات دن ڈوبے ہوئے رہتے ہیں، اس لئے اللہ کی محبت کے علاوہ کوئی دوسرا حقدار نہیں ہے۔

انسان کی اللہ نے یہ فطرت بنائی ہے کہ جب اس کے ساتھ کوئی احسان کرتا ہے اس پر انعامات کی بارش برساتا ہے، اس کے ساتھ رحم ومحبت کا سلوک کرتا ہے، اس کی غلطیوں کونظر انداز کرتا ہے اوراس کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہتا ہے، تو وہ اس کا احسان مند بن کراس کا دیوانہ بن جاتا ہے اوراسی کے خیالوں اوراسی کی محبت کودل میں پیدا کر کے اسی کا دیوانہ بنا رہتا ہے، مسلسل اسی کی تعریف وبڑائی کے گیت گاتا رہتا ہے، ہر بات میں اس کا نام لئے بغیر نہیں رہتا، اگرانسان کوکسی انسان کے اس سلوک کی تمیز' خیال اوراحساس نہ ہوتو وہ باوجود اپنے محسن سے نعمتیں حاصل کرنے کے دوسرے وقتی وعارضی اور ظاہری مدد کرنے والے پر نظر رکھتا ہے اور محسن کی جگہ وقتی مدد کرنے والوں کی محبت میں دیوانہ بن جاتا ہے، اس سے ڈرتا، اس کی اطاعت اور احترام کرتا ہے، اور اپنے محسن کی محبت پر دوسروں کی محبت کوغلبہ دیتا ہے اور محسن کا ناشکرا بنا رہتا ہے۔

اس لئے انسانوں میں اپنے مالک حقیقی کی محبت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات' احسانات' اللہ کے رحم اور محبت کو سمجھایا جائے اوراللہ کے صبر' اس کے درگذر اور معافی کا احساس دلایا جائے، تو بندہ مخلوقات سے کٹ کر خالق کا احسان مند بنتا ہے، اور اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، اسی محبت کو پیدا کرنے اللہ نے اپنی صفات الرحمٰن الرحیم، رب، ہادی، علیم، صبور، توّاب، عفو و درگذر کرنے والا، ودود اور حلیم جیسی صفات بندوں کو سمجھانے کے لئے نازل کیا ہے، اگرانسان ان صفات کے ذریعہ اس کے احسانات وانعامات اور نعمتوں سے واقف نہیں ہوگا تو اس کی محبت مخلوقات کے ظاہری سلوک سے متاثر ہوجائے گی، اور وہ اللہ سے بڑھ کر مخلوقات کی محبت میں گرفتار ہوگا۔

دنیا میں انسان دولت سے محبت کر کے دولت کے دیوانے نظر آتے ہیں، اولاد ماں باپ سے محبت کر کے ماں باپ کی دیوانی بنی رہتی ہے، ماں باپ' اولاد کی دیوانی نظر آتی

ہے، بیوی' شوہر سے اور شوہر بیوی سے محبت کر کے ایک دوسرے کے دیوانے نظر آتے ہیں، ملک سے محبت کرنے والے ملک کے دیوانے نظر آتے ہیں، شیخ اور پیر سے محبت کرنے والے پیروں کے دیوانے نظر آتے ہیں، مگر انسانوں میں اللہ کے دیوانے بہت کم نظر آتے ہیں، کوئی نہیں کہتا کہ یہ اللہ کا دیوانہ ہے، اللہ کے مقابلے انسانوں پر مخلوقات کی محبت کا غلبہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے احسانات سے ناواقف ہیں۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس شخص کا ایمان کامل ہو جاتا ہے جو اللہ کے واسطے محبت کرے اور اللہ کے واسطے دشمنی کرے، اللہ کے واسطے دے اور اللہ کے واسطے دینے سے انکار کرے۔ (ابوداؤد)

اس لئے حقیقی ایمان والے سب سے زیادہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کی محبت میں دوسروں سے محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی اللہ ہی کی خاطر محبت رکھتے ہیں، بہت سارے صحابہؓ ایمان قبول کرنے سے پہلے آپ ﷺ کے دشمن تھے، ایمان قبول کرنے کے بعد رسول ﷺ کی محبت کو اللہ کی محبت میں اپنے اوپر غلبہ دیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں جان و مال تک قربان کیا، اس لئے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ مخلوقات سے محبت کے لئے اللہ کی محبت کے تابع ہو۔

اسی محبت کی وجہ سے جب بھی اللہ کی محبت کے مقابل مخلوق کی محبت اور اطاعت آجائے تو مومن اللہ کی محبت کو غلبہ دے کر مقدم رکھتا ہے، اور دوسری محبتوں کو اللہ کی محبت کے تابع کر دیتا ہے، یہی عمل اور جذبات ایمان کی علامت اور روح ہے۔

اسلام ایمان والوں میں محبت' امن وسکون، مدد وتعاون، بھائی چارگی اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے، اس کے لئے آپس میں محبت کا ہونا ضروری ہے، مگر یہ محبت اللہ کی محبت کے تحت ہو، ممتا کی چاہت یا خواہش نفس کے تحت یا دنیوی اغراض کے تحت نہ ہو، ماں باپ بھی اولاد سے ممتا کی خاطر نہیں' اللہ کی خاطر محبت کریں، تب ہی اولاد جنتی اعمال کے ساتھ پرورش پاسکتی ہے، دنیا کی تمام چیزوں سے

محبت اللہ کے واسطے ہو، اللہ سے بڑھ کر یا اللہ کے برابر نہ ہو۔

انسان اپنے اعمال میں اللہ کی محبت کی جانچ خود کر سکتا ہے

انسان نکاح کے ذریعہ میاں بیوی بنتے ہیں، خاندان وجود میں آتا ہے، بیوی حسین وخوبصورت، دولت مند یا دنیوی تعلیم یافتہ ہو یا اونچے خاندان کی ہو تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں نکاح کی وجہ سے محبت پیدا کرتا ہے، اگر بیوی مغربی فیشن کی خواہش کرے اور بے پردہ رہنے اور مکمل جسم چھپانے کے لئے راضی نہ ہو، مغربی کلچر پر چلنا چاہتی ہو اور شوہر سے کہے کہ وہ اُسے برقعہ پہننے اور پردہ کرنے پر مجبور نہ کرے، ایسی صورت میں شوہر کو اگر اللہ سے محبت زیادہ ہو تو وہ کہے گا کہ میں اللہ کی خاطر تم سے محبت کرتا ہوں اور تم کو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں چلنے کی تاکید کرتا ہوں، تمہاری مرضی اور نفسانی خواہش پر اللہ کی بغاوت اور اسلام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، اس لئے مجھے قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کے بارے میں حساب دینا ہے۔

اگر کسی کے ماں باپ' اولاد کو شرکیہ عقائد واعمال کرنے کو کہیں تو اولاد اس حکم میں ماں باپ کی فرمانبرداری نہیں کر سکتی، اللہ کی محبت میں انہیں ماں باپ کے اس حکم کا انکار کرنا ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی محبت میں باپ کے شرکیہ حکم کی اطاعت سے انکار کیا، اس لئے ہر انسان اپنے اعمال میں یہ جائزہ لے کہ وہ کہیں اپنے رشتے داروں اور اپنے نفسانی خواہشات کو اللہ کی محبت پر غلبہ تو نہیں دیا ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کی نافرمانی نہیں کی جا سکتی۔

رسول سے اللہ کے واسطے محبت کی جائے

رسول کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا جاتا کہ لوگ رسول کی صرف ذات سے محبت کریں؛ بلکہ ذات کے ساتھ ساتھ رسول کی لائی ہوئی تعلیمات سے بھی محبت کریں، یہود نے حضرت موسیٰؑ کی محبت اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں محمد رسول اللہ ﷺ اور

قرآن کا انکار کیا، اوران دونوں گروہوں نے اللہ سے بڑھ کر اپنے اپنے پیغمبروں سے غلو میں محبت کی اور اللہ کے احکام کو نہ مان کر گمراہ ہو گئے۔

اگر صرف رسول کی ذات سے محبت کی جائے اور رسول کی تعلیمات کے مقابلے میں دین کو مٹانے والوں کے کلچر سے محبت کی جائے تو یہ محبت بھی صحیح نہیں، اس سے رسول پر ایمان لانا صحیح نہیں ہوتا، یا رسول اللہ پر ایمان لا کر نفس کی خواہش پر چلا جائے یا گمراہ انسانوں کی اطاعت کی جائے تو یہ بھی صحیح ایمان کی علامت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان میں رسول سے محبت رکھنے کو اس لئے لازم رکھا کہ لوگ رسول کو اللہ کا نبی مان کر اس سے اللہ کے واسطے محبت کریں اور اس محبت کے نتیجے میں رسول پر اعتماد کر کے نازل ہونے والی وحی الٰہی پر عمل پابندی سے کریں۔

کامل ایمان کے لئے رسول سے محبت اور کامل اطاعت دونوں لازم ہیں

ابوطالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ممتا والی خاندانی و رشتہ داری والی محبت رکھتے تھے، اور آپ ﷺ کی ذات سے بے انتہاء محبت کرتے تھے، اور دن رات آپ کی حفاظت کرتے تھے، اپنے اہل و عیال کو بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے کبھی منع نہیں کیا، مگر خود آپ ﷺ کی اطاعت کرنے پر راضی نہیں ہوئے، ایمان سے محروم رہے۔

اسی طرح منافقین رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں کرتے تھے، دل میں مخالفت رکھتے تھے، بظاہر دکھاوے کی اطاعت کرتے تھے، ان کو اللہ پر یقین نہیں تھا، مسلمانوں کے پیچھے اسلام کی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے تھے، صرف دکھاوے کے لئے بے دلی کے ساتھ ظاہراً رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے، یہ بھی ایمان کی علامت نہیں ہے، اس لئے رسول کی ذات سے بھی محبت کی جائے اور رسول پر نازل ہونے والی وحی الٰہی سے بھی محبت کر کے اللہ کی اطاعت کی جائے، یہی کامل ایمان کی علامت ہے، دونوں میں سے کسی ایک کی کمی ہو جائے تو وہ ایمان نہیں کہلاتا، ناقص ایمان ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنے پر مجبور کرتی ہے،

یہ ہو نہیں سکتا کہ رسول ﷺ سے محبت کا دعویٰ ہو اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کے خلاف باغی نافرمان اور گمراہ لوگوں کی اطاعت کریں یا اپنی نفس کی خواہش پر چلیں، رسول کے دشمنوں کے طور طریقوں کو پسند کریں، رسول ﷺ کا ارشاد ہے: جو جس سے محبت کرے گا وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ رہے گا، اس لئے صرف زبان سے محبت کا اظہار کرنے سے محبت کا حق ادا نہیں ہوتا، زبان کے ساتھ دل سے احترام اور عمل سے اظہار ہونا لازمی ہے۔

حقیقی محبت رکھنے والے زبان سے چیخ چیخ کر محبت کا دعویٰ نہیں کرتے

اسی طرح بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور سنتوں کی پابندی تو نہیں کرتے، مگر زبان سے چیخ چیخ کر عاشقِ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور احساس دلاتے ہیں کہ وہی سچے عاشق رسول ہیں، نام تو رسول کا لیتے ہیں مگر غلو میں حد پار کر دیتے ہیں اور سنتوں کے مقابلے بدعات وخرافات کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں، صحیح محبت رکھنے والا محبت کا اظہار زبان سے چیخ و پکار کر کے نہیں کرتا بلکہ ہر عمل میں رسول کی اطاعت واتباع کرتے رہتا ہے، اس کے اعمال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے طریقے نظر آتے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کی نقل میں زندگی گذارتا ہے، جس کو سچی محبت ہوتی ہے وہ چلا چلا کر یہ نہیں کہتا کہ میں عاشق رسول ہوں، یہ تو اس وقت کہنا پڑتا ہے جب اعمال سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع ظاہر نہ ہو اور ان کا عمل غیروں جیسا نظر آئے۔

فرمانبردار اولاد کبھی بھی ماں باپ کے لئے چلا کر نہیں کہتی کہ میں ماں باپ کا عاشق ہوں، بلکہ وہ اپنے محبت کا اظہار ان کی تعظیم' ادب واحترام اور اطاعت وفرمانبرداری ہی سے ظاہر کرتی ہے، کوئی اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمان رہ کر اگر ان کی پیدائش کی خوشی ڈھول باجا' ناچ گانا کرتے ہوئے اظہار کرے، اطاعت نہ کر کے لوگوں کو پیدائش کی خوشی میں کھانے کھلائے تو یہ محبت نہیں کہلاتی، یہی حال اکثر مسلمانوں کا اپنے نبی کے ساتھ ہے۔

عشق اور محبت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے

لفظ عشق عورت اور مرد یا میاں بیوی کے درمیان کی گفتگو اور بول چال میں استعمال

ہوتا ہے، بیٹی، بہن، بھائی، ماں باپ بہو کے لئے لفظ عشق استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ادب و تعظیم اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے لفظ محبت کا استعمال ہوتا ہے، عشق دراصل زیادہ تر عشق و عاشقی کی ناولوں میں استعمال ہوتا ہے، عشق اصل میں نفسانی خواہش سے پیدا ہوتا ہے، جو انسان کو اندھا بنا کر غلط اور گناہ کے کاموں پر ابھارتا ہے، کوئی سمجھ دار انسان یہ نہیں کہتا کہ امی یا ابا یا باجی مجھے آپ سے عشق ہے، بلکہ یہ کہتا ہے کہ امی، ابا، باجی مجھے آپ سے محبت ہے، یہ امی وابا اور بہن کا ادب واحترام اور تعظیم ہے۔

عشق کا لفظ تصوف میں صوفیاء نے ایجاد کیا ہے، پتہ نہیں تصوف میں یہ کیوں بولا گیا، وہ سمجھتے ہیں کہ محبت کی انتہاء عشق ہے، کوئی بھی اپنے استاد یا امیر یا شیخ و پیر کو یہ نہیں کہتے کہ ہمیں آپ سے عشق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تربیت میں لفظ عشق نہیں بلکہ محبت کا لفظ استعمال کر کے فرمایا کہ جو جس سے محبت رکھے گا اسی کے ساتھ اُٹھایا جائے گا، یہ نہیں فرمایا کہ جو جس سے عشق رکھے گا اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

ایک مومن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہاء محبت کرتا ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی کو گناہ تصور کرتا ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اللہ کی عبدیت و بندگی آپ ﷺ کی محبت واتباع میں کرنے کو ہی نجات تصور کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

عشق ایک ایسا عمل ہے جس میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، ایک ہی وقت میں عشق کئی مردوں اور عورتوں سے نفسانی خواہش کے تحت ہو جاتا ہے، اور انسان عشق میں اندھا ہو کر ناپاک خیالات و گناہ کے کاموں کو بھی پورا کرتا ہے، اس سے عاشقوں میں غلو پیدا ہوتا ہے اور عشق میں اندھے ہو کر اللہ کے حدود کو بھی توڑا جاتا ہے، اس کے برعکس محبت میں اعتدال ہوتا ہے، ہر ایک کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ادب، احترام اور تعظیم واطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہود اور عیسائی اپنے پیغمبروں کے عشق میں اندھے بن گئے اور غلو میں مبتلا ہو کر حد سے آگے

بڑھ گئے، محبت کے وہ حدود قائم نہ رکھ کر ان کو خدا کا اہل وعیال والا خاندان والا بنا ڈالا۔

اکثر علماء عشق وعاشقی کے الفاظ استعمال کرنے سے منع کرتے ہیں

بعض لوگ اللہ کے ساتھ عاشق الٰہی یا عشق الٰہی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اپنی بے انتہاء محبت جتانے کے لئے عشقِ رسول یا عاشق رسول کے الفاظ کہتے ہیں، عام شعراء اور نعت گو شعراء بھی اپنے اشعار میں عشق کا لفظ استعمال کر کے غلو میں رسول ﷺ کو ہدایت دینے والا یا خدا کو رسول کا شیدائی بنا کر خدا اور بندے میں فرق باقی نہیں رکھتے۔

صوفیاء عشق کے لفظ کو اپنی شدتِ محبت کا اظہار کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، عشق کے لغوی معنٰی کسی کے ساتھ دل کا وابستہ ہو جانا، چمٹ جانا، محبت میں حد سے آگے گذر جانا ہے۔

اللہ تعالٰی کی ذات کے لئے عاشق ومعشوق کے کلمات کا استعمال کرنا شریعت کی رُو سے درست نہیں، یہ بدعت ہے۔

امام احمد رضاء قادریؒ سے سوال ہوا اللہ کو عاشق اور رسول اللہ ﷺ کو اس کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب لکھا کہ ناجائز ہے، قرآن کریم میں اللہ کی محبت، رسول سے محبت اور بندہ سے محبت کو سورۃ البقرہ، ال عمران، توبہ اور دیگر سورتوں میں أحبّ، یُحبُّ، یحبُّون، حبّا کے الفاظ سے بیان فرمایا، نہ کہ عشق کے لفظ سے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ. (ال عمران:۳۲) (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یہاں بھی محبت کا لفظ مذکور ہے نہ کہ عشق کا۔

سورۃ البقرہ آیت:۱۶۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ .

یعنی بعض لوگ جو اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے کرنی چاہیئے، حالانکہ ایمان رکھنے والے سب سے بڑھ کر اللہ

سے محبت کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی محبت کی جگہ شدتِ محبت بتانے کے لئے عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ جیسا عشق غیر سے رکھتے ہیں اور ایمان والے اللہ سے سب سے بڑھ کر عشق رکھتے ہیں، نہیں کہا گیا۔

اہل علم نے لفظ عشق کو ناپسند کیا ہے، اس لئے کہ اس لفظ کو زیادہ تر جسمانی لذتوں میں بولا جاتا ہے۔ (تفسیر امام راغب اصفہانیؒ: ۱/۴۹)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ مجھ سے عشق کرتا ہے یا میں اس سے عشق کرتا ہوں، البتہ یہ کہا جائے گا کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے اور فلاں شخص اللہ سے محبت کرتا ہے۔

علامہ سلمان بن بہفور شافعیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کی ذات کو عاشق اور معشوق کہنا جائز نہیں؛ بلکہ ایسا کہنے والے کو سزا دی جائے گی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے''۔ (المائدہ: ۵۴) یہاں بھی عشق کا لفظ نہیں، محبت کا لفظ ہے۔

علامہ یوسف اردبیلی شافعیؒ نے حنفی علماء سے نقل فرمایا کہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ تم یوں کہو ''میں اللہ سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔''

مفتی محمد شریف الحق امجدیؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ''دل بر، دل رُبا، معشوق'' کہہ سکتے ہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا: ''اللہ کی طرف ان تینوں الفاظ میں سے کسی کا استعمال یا بولا جانا صحیح نہیں ہے۔'' یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے دلبر، دل رُبا یا معشوق ہیں، اس لئے کہ دل بر، دل رُبا کہنے میں اللہ کے لئے جسمانیت کا وہم پیدا ہوتا ہے، اور معشوق کہنے سے محبت کی وہ منزل ہے جس میں جنون پیدا ہوجائے۔ (فتاویٰ شرح بخاری: ۱/۲۸۱)

رسول اللہ ﷺ کے لئے عشق یا معشوق کے لفظ آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں، اس سے اجتناب ہی بہتر ہے، یہ الفاظ سفلی جذبات کے لئے استعمال ہوتے ہیں، رسول ﷺ

کے لئے معشوق کا کلمہ استعمال کرنا مناسب نہیں، آپ کے لئے حبیب اور محبوب کے کلمات استعمال کئے جائیں، ان میں وقار ہے، تقدس ہے، قرآن وحدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، بلکہ اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور تمام لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری:۱۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ میں تمہارے لئے تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بخدا! اب آپ میرے لئے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: عمر! اب تم نے کمالِ ایمان کو پالیا۔ (بخاری:۶۶۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے اللہ کے لئے لفظ شیدا کے بارے میں مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شیدائے محمد کہنا بھی جائز نہیں، اس میں معنٰی سوء کا احتمال ہے، شیدا کے معنٰی آشفتہ، فریفتہ، مجنون، عشق میں ڈوبا ہوا عاشق کے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے منزّہ ومبرّا ہے۔ (فتاویٰ شارح بخاری: ۱/۱۴۱)

زبانی محبت کا دعویٰ کرنا اور اطاعت نہ کرنا صحیح نہیں ہے، جو لوگ کسی سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اطاعت جان بوجھ کر نہیں کرتے، احترام وتعظیم نہیں کرتے، وہ محبت صحیح نہیں کہلاتی، مثلاً اگر ایک بیٹا اپنے والدین سے زبانی کہے کہ امی ابا مجھے آپ لوگوں سے بے انتہاء محبت ہے، اب اگر باپ یہ حکم دیں کہ بیٹا! ہمارے لئے پانی کا انتظام کرو، پانی پلاؤ، یا کھانے کا انتظام کرو، بازار سے دوا لادو، تو بیٹا یہ کہے کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا، محبت کرتا ہوں مگر آپ کے کام اور آپ کی اطاعت وخدمت نہیں کروں گا، یا زبان سے تو ایسا نہ کہئے، لیکن ان کا کوئی حکم سن کر جان بوجھ کر اطاعت نہ کرے یا انجان ہو جائے' تو یہ بھی محبت کا دعویٰ غلط ہوگا، صرف زبان سے محبت کا اظہار کرنا اور عمل میں اطاعت نہ ہونا

جھوٹ کہلائے گا، صحیح محبت ثبوت تو اسی وقت ملے گا جب اولاد ماں باپ کی اطاعت کے لئے ان کا حکم سنتے ہی اس کو پورا کرنے کے لئے دوڑے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی محبت کا دعویٰ کر کے اطاعت نہ کرنا رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں کہلاتی۔

جب انسان کو کسی سے حقیقی محبت ہو جاتی ہے تو وہ محبت میں ہر قسم کی تکالیف جھیل کر فرمانبرداری کرتا ہے، اپنی جان کو اپنے محبوب کے لئے قربان کر دیتا ہے، تکالیف کی پرواہ نہیں کرتا، عشق میں غرض رہنے تک، جوانی رہنے تک، صحت رہنے تک، مال و دولت رہنے تک اور مطلب نکلتے ہی کمی آجاتی ہے، عشق میں انسان اندھا ہو کر صحیح و غلط نہیں سوچتا، محبت میں اعتدال ہوتا ہے، اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے، نیکی اور گناہ کا احساس ہوتا ہے، مقام و مرتبہ کا لحاظ و احساس رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت ہی رسول ﷺ کی اطاعت کرواتی ہے

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ. (آل عمران:۳۱)

(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ . (النساء:۶۴)

اور ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔

دنیا میں حکومت کے کارندے ٹیکس وصول کرتے ہیں یا پولیس، عوام کو قانون پر چلنے پر مجبور کرتی ہے، لوگ محض حکومت کے ڈر کی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے ہیں، کوئی بھی حکومت سے یا حکومت کے کارندوں سے محبت نہیں کرتا، عوام ڈنڈے کے زور پر جرمانے وصول کرنے اور سزا کے خوف سے حکومت کی بے دلی سے اطاعت کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت و بندگی، سزا اور ڈنڈے کے زور پر نہیں کروانا چاہتا، بندوں میں رسول سے محبت پیدا کروا کر اپنے احسانات و انعامات کو سمجھا کر اپنی نعمتوں کا احساس

دلا کر اطاعت کی دعوت دیتا ہے، حکومت میں رعایا حکومت کو بُرا بھی کہتی ہے، مگر بندہ لاکھ مصیبت آئے اللہ کو بُرا نہیں کہتا، اللہ سے معافی مانگ کر قریب ہونا چاہتا ہے، جس طرح چھوٹا بچہ ماں کے سزا دینے کے باوجود ماں سے ہی جا کر لپٹ جاتا ہے، اور یہ صرف حقیقی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے احکام کو دل سے پسند کر کے اپنی چاہت و آزادی سے اللہ کی محبت میں اطاعت و غلامی اور بندگی کریں، اس لئے وہ اپنے پیغمبر سے محبت کرواتا ہے تاکہ بندے اللہ کی محبت میں رسول ﷺ سے بھی محبت کرتے ہوئے اللہ کے بھیجے ہوئے قانون یعنی وحی کی اطاعت کریں، اس نے انسانوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لئے وحی یعنی قرآن کریم میں اپنے احسانات وانعامات' نعمتوں' مہربانی' قدرت اور اپنے غفور ورحیم ہونے کو جگہ جگہ سمجھایا اور اپنی مختلف صفت سے بندوں کے ساتھ سلوک کو سمجھایا، جب بندہ قرآن کو سمجھ کر پڑھتا ہے تو اپنے مالک کی حقیقی محبت اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے اور پھر اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر سے محبت کر کے کتاب الٰہی پر عمل کرتا ہے۔

دنیا میں بہت ساری چیزیں اللہ کی اطاعت سے روکتی ہیں

رسول اللہ ﷺ سے محبت کروانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو دنیا کی زندگی میں اللہ کی عبدیت و بندگی کرنے کے لئے بہت ساری رکاوٹیں آتی رہتی ہیں، کہیں انسان کا نفس امّارہ اس پر غلبہ پاتا ہے، کہیں رشتہ دار' دوست احباب، کہیں دنیاداری' خاندان، سماج اور سوسائٹی کے طور طریقے، کہیں شیطان کا غلبہ اور کہیں حکومت کا باطل قانون، کہیں بیوی، شوہر اور اولاد کی محبت انسان کو اللہ کی اطاعت و بندگی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

انسان کو سب سے زیادہ محبت جس سے ہوتی ہے وہ اسی کی اطاعت کرتا ہے، اس لئے سب سے زیادہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت ہو تو وہ مخلوق کے مقابلے خالق کی محبت کو غلبہ دے کر اس کی اطاعت کی طرف دوڑے گا، یہی اللہ اور رسول اللہ سے محبت کو جانچنے کا پیمانہ ہے، نماز کے لئے اذان سنتے ہیں، دکان، نوکری، بیوی بچوں اور دوست احباب کو

چھوڑ کر نماز کے لئے چلے جانا' اللہ کی سب سے زیادہ محبت کا اظہار ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اہل وعیال کے ساتھ بیٹھے رہتے، جیسے ہی اذان ہو جائے آپ سب کو فوراً چھوڑ کر اُٹھ جاتے، اجنبی اور بیگانے کی طرح، اور نماز کی تیاری کرتے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ایمان قبول کرنے کے بعد محض اللہ اور رسول ﷺ کی محبت میں دولت اور شاہانہ زندگی کے مقابلے ادنیٰ زندگی کو اختیار کیا اور بلند مقام و مرتبہ پایا۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ نے محض اللہ کی محبت میں شاہی خاندان کی عزت و آرام کو چھوڑ کر اللہ کے لئے شہید ہونا گوارا کیا۔

گناہ کے کاموں کی دعوت ملے تو اللہ کے لئے گناہ سے منہ موڑ کر چاہے لاکھ دنیا کا نقصان ہو جائے اللہ کی اطاعت کے لئے نقصان برداشت کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اللہ کے حکم پر چلنا یہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت کا اظہار ہے، اولاد کی شادی میں جوڑے کی رقم نہ لینا اور لڑکی پر بوجھ نہ بننا، بغیر رشوت کے کام کرنا وغیرہ یہ سب اللہ سے سچی محبت کی علامتیں ہیں۔

انسان کو اللہ نے اپنی دنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے محبت کا نظام رکھا، اگر ماں باپ کو اولاد سے محبت نہ رہے تو بچہ کی پرورش مشکل ہو جاتی، شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے محبت نہ ہو تو زندگی میں قربانی نہ ہوتی اور زندگی میں پھیکا پن پیدا ہو جاتا اور زندگی میں خوشگواری نہیں رہتی، اولاد کو ماں باپ سے محبت نہ رہے تو خود غرضی جنم لیتی ہے، احسان فراموشی پیدا ہوتی ہے، دراصل اللہ دولت سے، ماں باپ سے، اولاد سے، شوہر سے، بیوی سے، عہدہ و کرسی سے، گھر و جائیداد، نفس اور اللہ والوں سے محبت کا طریقہ رکھ کر امتحان لے رہا ہے، آیا ان سب چیزوں کے بیچ میں رہ کر مجھ سے محبت کرتے ہو یا مخلوقات سے محبت کرتے ہو، بیوقوف لوگ اصلی مالک کو چھوڑ کر مالک کی چیزوں ہی کی محبت میں جیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

غزوۂ احد سے ملنے والا سبق

وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ٥ إِن يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ٥ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ٥ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ٥ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ٥ (آل عمران: ۱۳۹ تا ۱۴۳)

ترجمہ: (مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند رہو گے۔ اگر تم کو ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیامیٹ کر ڈالے۔ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یونہی جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ اور تم خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی تمنا کرتے تھے، چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

سورۂ ال عمران کی ان آیات میں غزوۂ احد میں وقتی اور عارضی شکست سے دوچار ہونے پر مسلمانوں میں پیدا ہونے والی کمزوریوں کی اصلاح کی گئی، ایک طرف اس شکست سے فائدہ اٹھا کر دشمنان اسلام یہود اور منافقین کے پروپیگنڈوں کا جواب دیا گیا

اور نئے نو جوان مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ رکھ کر آنے والوں کے دلوں کے وسوسوں کو جو گمراہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تھے صحیح راہ بتلائی گئی ہے۔

کفار نے اس شکست سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کر جانے کی افواہ پھیلائی اور منافقین ایمان والوں کو اسلام چھوڑ کر گمراہی پر واپس چلے جانے کی ترغیب دے رہے تھے، ایسے حالات میں مسلمانوں میں غیر یقینی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی، اس لئے قرآن کے ذریعہ ان کے پروپگنڈے اور غلط فہمیوں کا جواب دیا گیا، اس لئے کہ اس طرح کے حالات ایمان والوں پر ہر زمانے میں آسکتے ہیں، اس میں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے بہت بڑی رہبری اور ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

منافقین کی ایک خاص تعداد نے جنگ احد میں ساتھ نہیں دیا

مشرکین مکہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے ایک سال بعد بدلہ لینے اور اسلام کو مٹانے پوری تیاری کے ساتھ تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا، اس میں نئے مسلمان اور منافقین بھی شامل تھے، رسول اللہ ﷺ منافقین کی کمزوریوں کا اندازہ رکھتے تھے، اس لئے پہلے سب مسلمانوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ آیا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر؟ جو شیلے نئے نوجوان بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا حال سنتے اور جانتے تھے، جوش اور جذبۂ جہاد کا اظہار کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، ان کے برعکس منافقین نے کہا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا بہتر ہے، اور اس کی مصلحتیں سمجھانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی کمزوری اور دکھاوے کی ہمدردی کا اندازہ لگا لیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے مشورہ کو قبول نہ کر کے اپنے جاں نثار صحابہؓ کے مشورہ کو قبول کیا اور میدان احد کی طرف ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ نکل پڑے۔

منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے پر راضی نہیں تھے، مجبوراً دکھاوے کے لئے کچھ دور تک ساتھ جانے کے بعد ان کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنے چند

ساتھیوں کو ورغلا کر کہا کہ اس کے مشورے کی قدر نہیں کی گئی، یہ کہہ کر بیچ راستے سے تین سو لوگوں کو لے کر الگ ہوگیا، اس کی وجہ سے فطری طور پر بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے، ان پر بھی اثر پڑا، تین ہزار مشرکین کے مقابلہ اب صرف سات سو لوگ رہ گئے تھے۔

منافق عبداللہ بن ابی کے الگ ہونے پر بعض مسلمانوں نے جا کر اُسے سمجھایا اور ساتھ چلنے کے لئے راضی کرنا چاہا، اس نے کہا کہ آج جنگ نہیں ہوگی، اگر جنگ ہونے کے آثار رہتے تو ہم تمہارے ساتھ چلتے۔

اس میں مدینہ کے دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے، قبیلہ خزرج کے بنوسلمہؓ اور قبیلہ اوس کے بنوحارثہ، ان دونوں کے اندر منافقین کی شرارت کی وجہ سے کچھ بزدلی پیدا ہوگئی تھی، لیکن پھر وہ سنبھل گئے، منافقین دراصل اس جنگ کے لئے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مشروط مدد کرنے کا احساس دلایا

تین سو منافقین کے الگ ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے وحی کے نازل ہونے پر کہا کہ تین سو آدمی الگ ہوگئے تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ نے تین سو کمزور اور پست ہمت آدمیوں کی جگہ تین ہزار تازہ دم فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور مسلمانوں کو امید دلائی، پھر یہ شرط بھی بیان کی کہ اگر تم ثابت قدم رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی نافرمانی سے بچے رہے تو دو ہزار فرشتوں کے اضافے سے مشرکین کا خاتمہ کردے گا۔

احد پہاڑ کے درّے پر پچاس صحابہؓ کے دستے کو مقرر کیا گیا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ احد میں صفیں جمانے کے بعد پچاس لوگوں کو احد پہاڑ کے ایسے درّے پر متعین کیا جہاں سے دشمن کے پیچھے سے حملے کرنے کا خطرہ تھا، اور انہیں تاکید کی کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے، ہمیں قتل بھی کردیا جائے تب بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا، یہاں سے میرے حکم کے بغیر نہ ہٹنا۔

جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے زبردست طریقہ سے مشرکین کو پسپا کردیا اور

ان پر ابتدائی حملے ہی میں غالب آ گئے، اور کفار کو سخت نقصان پہنچانا شروع کر دیا، وہ شکست کھا کر مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگنے لگے، میدان سے لوگ مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔

درّے پر موجود کچھ لوگ اپنے امیر سے اختلاف کر کے میدان میں آ گئے

جنگ کی اس صورت حال کو درّے پر موجود لوگ دیکھ رہے تھے کہ مشرکین بھاگ رہے ہیں، اور مسلمان غالب آ چکے ہیں، تو کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بارے میں اختلاف کرنے لگے اور ان میں سے تقریباً چالیس افراد مالِ غنیمت کی خواہش میں خیال کیا کہ سب مال میدان والوں ہی کو ملے گا اور ہم محروم رہیں گے، یہ سوچ کر اس اہم مورچہ پر مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کر کے اپنی مرضی سے وہ جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے میدان میں آ گئے، خالد بن ولید (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) بھاگنے والے مشرکین میں سے دو سو لوگوں کا دستہ جمع کیا اور اس درّے پر آئے اور وہاں محافظوں کی مختصر تعداد دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا اور انہیں شہید کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا، دوسری طرف سے بھاگتے ہوئے مشرکین نے خالد بن ولید کے حملہ کو دیکھ کر واپس پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، دونوں طرف سے مشرکین کے حملے سے مسلمان بیچ میں پھنس گئے۔

فتح شکست میں تبدیل ہو گئی، رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے

جس کی وجہ سے جنگ کی کایا پلٹ گئی، فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور مسلمانوں کے بڑے بڑے بہادر صحابہؓ جیسے حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ وغیرہ شہید ہو گئے، کفار نے رسول ﷺ کے قتل کی جھوٹی افواہ اڑا دی، یہ سب سن کر بہت سے لوگوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، حوصلے پست ہو گئے، اکثر لوگوں نے یہ سوچا کہ اس مقصد کے لئے جب حضور ﷺ ہی شہید ہو گئے تو ہم جی کر کیا کریں، ہمیں بھی اس مقصد کے لیے شہید ہو جانا چاہئے۔

بعض لوگ بدحواس ہو کر جان بچانے کے لئے مدینہ کی طرف بھاگ گئے، کچھ لوگ احد پہاڑ پر چڑھ گئے، صرف بارہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کرتے ہوئے ٹھہرے رہے، حضور ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے، آپ ﷺ کا ہونٹ اور چہرہ

زخمی ہو گئے اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے، تقریباً ستر (۷۰) صحابہؓ شہید ہو گئے۔

منافقین جاہلانہ بکواس کرنے لگے

صحابہؓ کے ساتھ جو کچھ چند منافقین تھے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس، وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان لے لے گا، مشرکین کا حملہ اچانک ایسا اور کامیاب ہوا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حالات دیکھے تو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور بلاتے ہوئے آواز دی: اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ!، بعض لوگوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ کون بلا رہا ہے، جو لوگ اللہ کے راستے میں شہادت کی تمنا لئے تھے، انہیں اللہ نے شہادت عطا فرمائی اور بعض لوگ دکھاوے کے لئے جہاد میں موت کی تمنا کرتے تھے، مگر جب موت سامنے آئی تو جان بچا کر بھاگ گئے اور موت کی تمنا بھول گئے۔

غرض مسلمان کفار و مشرکین کے بیچ نرغے میں آ گئے، اور شکست ہو گئی۔

اللہ نے دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت پیدا کر دی

دشمن نے خود سے ہیبت کھا کر میدان چھوڑ دیا، اور پھر آئندہ سال مقابلہ کرنے کا چیلنج دے گئے، آدھا راستہ جانے کے بعد ان کو خیال آیا کہ ہم تو مسلمانوں پر گرفت حاصل کر چکے تھے، خواہ مخواہ میدان چھوڑ کر آ گئے، پلٹ کر حملہ کرنا چاہا مگر اللہ نے ان کے اندر خوف و ہیبت اور پست ہمتی پیدا کر دی، اور مسلمانوں کے خوف سے انہوں نے مکہ چلے جانا ہی غنیمت سمجھا اور مکہ چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن بعد ان کا تعاقب اس اندیشہ سے کیا کہ کہیں پھر وہ واپس آ کر حملہ نہ کر دیں۔

مدینہ پہنچ کر درّے پر مقررہ لوگوں کو بلا کر وہاں سے ہٹنے کی وجہ پوچھی گئی

جب مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ٹیلے پر متعین لوگوں کو بلایا، ان سے نافرمانی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کمزور بہانے پیش کئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کو ہم پر یقین نہیں تھا، تم لوگوں نے یہ گمان کیا ہم

تمہارے ساتھ خیانت کریں گے، تم کو مالِ غنیمت میں حصہ نہیں دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعہ یہ احساس دلایا کہ جب تمہارے نبی کے ہاتھ میں تمہارا مفاد محفوظ ہے تو دل میں یہ اندیشہ کیسے پیدا ہوا کہ نبی خیانت کریں گے؟ کیا خدا کے پیغمبر سے یہ توقع رکھے ہوئے ہو کہ جو مال ان کی نگرانی میں ہے وہ دیانت وامانت اور انصاف کے علاوہ کسی اور طریقے سے تقسیم ہوگا؟ اگر وہ درّے سے نہ ہٹتے تب بھی ان کو ان کا حصہ ضرور ملتا۔

غزوۂ احد کے مختلف نکات پر غور کیجئے

مشورہ کرنا سنت ہے

☆ اس غزوہ میں سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر ہونے کے باوجود صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، اور ظاہری طور پر جہاد کا اظہار کرنے والوں پر بھی نظر رکھی، اس لئے ہمیں بھی ہر اچھے کام میں آپس میں مشورہ کرکے کام کو انجام دینا چاہئے، مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اسی میں بہتری اور خیر ہے، اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہمیں یہ طریقہ سکھایا ہے، اور دکھاوا کرنے والوں پر نظر رکھنا چاہئے۔

مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل واعتماد رکھنا ہوگا

جب منافقین نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توکل اختیار کرنے کی تعلیم دی اور سمجھایا کہ جب اللہ ساتھ ہے تو منافقوں کے الگ ہونے کی پرواہ مت کرو، اور جنگ بدر کے واقعہ کی یاددہانی فرمائی کہ جب تمہاری افرادی تعداد کم تھی اور مادّی بے سروسامانی تھی، اس کے باوجود اللہ نے ایک سال پہلے ہی مدد فرمائی تھی، تمہیں شاندار کامیابی عطا کی، منافقین کے چلے جانے سے مایوس نہ ہو، آج بھی اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے، اللہ پر توکل کرکے اللہ کو کارساز مانو، ایمان اختیار کرنے کے بعد بزدلی وکم ہمتی نہ دکھاؤ، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ احساس دلایا کہ اللہ تین ہزار (۳۰۰۰)

فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا، اگر تم اللہ کی شکر گذاری کا صحیح حق ادا کروگے تو مزید دو ہزار (۲۰۰۰) فرشتوں سے مدد کر کے دشمن کا صفایا کر دے گا۔

اسی طرح اکثر واقعات میں جو لوگ ساتھ دینا نہیں چاہتے یا دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں، عین وقت پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے جذبات اور جوش کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لئے ایسے حالات میں اللہ پر کامل توکل کر کے اللہ سے رجوع ہو کر مدد طلب کرنا چاہئے، وہ اسباب سے بھی اور بغیر اسباب کے بھی غیبی مدد کرتا ہے، بشرطیکہ تم نبی کی اتباع میں ایمان، توکل اور تقویٰ پر قائم رہو۔

غزوۂ احد میں شکست پر یہود اور منافقین نے اسلام اور پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا

غزوہ احد کی شکست کی وجہ سے یہود اور منافقین کو بڑی شہ ملی، انہوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور مسلمان کے عقیدے کو کمزور کرنے کی باتیں شروع کر دیں، اور منافقین خاص طور پر میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے کہنے لگے کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوئے؟ ہمیں شکست کیسے ہوئی؟ چلو! اب آبائی دین کی طرف لوٹ چلیں، جب دیکھا کہ محمد ﷺ قتل نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں تو بعد میں پروپیگنڈہ شروع کیا کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں، ان کو خدا کی اور فرشتوں کی مدد حاصل ہے، خواہ مخواہ اس خبط میں مبتلا ہوئے کہ اللہ فرشتوں سے مدد کرے گا، پھر یہ مدد احد میں کیوں نہیں آئی؟ پیغمبر کی طرف سے فتح و غلبہ یا قرآن کی طرف سے جو یہ باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ بس یوں ہی تم کو احساس دلا کر محمد ﷺ محض اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں، تم لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا تھا، وہ اگر پیغمبر ہوتے تو خدا کی مدد ساتھ رہتی تو پھر شکست کیوں کھاتے؟ وہ خود زخمی کیوں ہوتے؟ ہونٹ زخمی اور دانت شہید کیوں ہوتے؟ ۷۰ رلوگ کیوں شہید ہوتے؟ بدر کی فتح کے بعد احد کی شکست سے مسلمانوں پر سے فتح کے اثرات ختم کرانے اور جوش و جذبہ سے کم ہمتی پیدا کرنے، مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں

مبتلا کرنے کے لئے اس طرح کا پروپیگنڈہ زور وشور سے کرنے لگے، اس پروپیگنڈہ کو خوب ہوادی، کہا کہ اس دنیا میں اونچ نیچ ہوتا ہی رہتا ہے، بدر میں تم فتح پائے، احد میں ان کو فتح ہوئی، جس کے پاس تدبیر، منصوبے، سامانِ جنگ، عددی قوت زیادہ ہو وہ فتح پاتا ہے، اپنے آپ کو محمد ﷺ کی باتوں میں آکر خدا اور فرشتوں سے وابستہ کرنا خام خیالی ہے۔

احد کی شکست سے مسلمانوں کے یقین کو کمزور کرنے کا پروپگنڈہ کیا گیا

قریش کو بھی بدر کی شکست سے جو مار پڑی تھی اس تکلیف کا زخم اس فتح سے کم ہوا اور ان کا حوصلہ وہمت بڑھنے لگی، وہ اسلام کو پوری طرح مٹانے کے منصوبے بنانے لگے، کمزور ایمان والوں اور نئے نئے مسلمانوں پر اس پروپگنڈے کا اثر ہونے لگا، ان کے دلوں میں اسلام کے مستقبل اور حضور ﷺ کے خلاف مختلف قسم کے وسوسے ابھرنا شروع ہوگئے، ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ خدا کی نصرت وحمایت کا یقین ایک ڈھونگ ہے۔

عام طور پر دنیا کے مختلف حالات میں دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی اکثر کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر ان کے ایمان ویقین کو اسی طرح کمزور بناتے ہیں اور ان میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اسلام سے ہٹانا چاہتے ہیں یا کمزور کرنا چاہتے ہیں تا کہ مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق کمزور پڑ جائے، یہ ان کا ہمیشہ کا شیوہ رہا ہے۔

اس پروپگنڈے کا اثر نئے مسلمانوں پر ہو رہا تھا

اس پروپگنڈے پر اللہ نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ان دشمنان اسلام کی باتوں پر یقین نہ کرو، اور نہ اپنے دل میں اسلام کے خلاف خیالات اور وسوسے آنے دو، یہ لوگ تم کو جہالت کی تاریکی میں لے جانا چاہتے ہیں، جن اندھیروں سے اللہ نے تم کو نکال کر اجالے میں لایا ہے، وہ تم کو پھر گمراہی میں لے جانا چاہتے ہیں، تمہارا ولی اور ہدایت دینے والا اللہ ہے، اسی سے رجوع ہو کر ہدایت مانگو، یہ لوگ شیطان کے اشاروں پر چل رہے ہیں، اس کے بہکانے اور گمراہ کرنے پر ایسی باتیں کر رہے ہیں، اس لئے اس قسم کے پروپگنڈے پر دھیان مت دو، ان کو گمراہی تصور کرو، اور اس قسم کی باتوں کو شیطانی وسوسے

سمجھو اور اپنے دلوں کو ان وسوسوں سے دور اور پاک رکھو، اکثر کمزور قسم کے مسلمان' غیر مسلموں کی باطل طاقتوں سے مرعوب ہوکر اور ڈر کر ان کی گمراہ کن باتوں سے مرتد ہوجاتے ہیں، تحقیق اور عقل وفہم کا استعمال ہی نہیں کرتے، اور اپنے آپ میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کر لیتے ہیں۔

آج کل تو باقاعدہ باطل پرستوں کی جانب سے مرتد اسلام لوگوں کی LGBT کے نام سے یونین بنا کر ٹی وی پر ان کے بیانات کروائے جارہے ہیں، اور اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے مغرب نے باقاعدہ اپنی عبادت گاہوں اور لٹریچر میں مسلمانوں کو ظالم، غنڈے، ڈاکو، قاتل، عورتوں پر ظلم کرنے والا، بداخلاق بتلا کر مختلف لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی محنت کررہے ہیں اور اپنے مبلغین کو مسلم ممالک میں بھیج کر شکوک پیدا کرنے والے بیانات اور لٹریچر کے ساتھ فرقے بنانے کی محنت کررہے ہیں، غیر مسلموں اور خود اپنی قوم کے لوگوں کو اپنے غلط پروپگنڈوں کے ذریعہ اسلام سے گمراہ کئے ہوئے ہیں، اور ہر روز اسلام کے احکامات پر تنقیدیں کی جاتی ہیں، مثلاً حجاب کو عورتوں کی توہین اور عورتوں کے گھروں میں بیٹھنے کو ظلم، مرد کو حاکم بنانا اور میراث میں عورتوں کو آدھا حصہ دینا، عورت کی گواہی کو آدھا ماننے کو ظلم، طلاق کا اختیار مرد کو دینا اور طلاق شدہ عورت سے نکاح کرنا' زنا اور کفر ہے، ایک سے زائد نکاح کرنا زنا ہے، چوری پر ہاتھ کاٹنا ظلم ہے، جیسے عنوانات پر عام مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے، باقاعدہ مرتد لوگوں کی مسجد علاحدہ بنا کر عورت سے اذان دلائی جاتی ہے اور مرتد مرد اور مرتد عورتیں ایک ساتھ جماعت بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے اور عورت کی امامت میں نماز ادا کرنے کی ویڈیو دنیا کو دکھائے جاتے ہیں، اور کہیں عورت کو قاضی بنا کر نکاح پڑھایا جاتا ہے اور دنیا کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان خود کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان آپس میں فرقہ واریت کو حل کرنے میں مصروف رہیں اور دوسرے ملکوں میں دعوت دین اور تبلیغِ دین کا کام نہ کرسکیں، اور ان کے ملکوں میں دین اسلام نہ پھیلے۔

مشرکین کا شرک بہت بودا ہوتا ہے

مذکورہ آیات میں انسانوں میں شرک کرنے والوں کی حالت کو بھی بہت اچھے طریقے سے سمجھایا، جو لوگ مخلوقات کو خدائی میں شریک کر کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں ان کے پاس کوئی شہادت نہ تو عقل وفہم کی ہوتی ہے، نہ نظامِ کائنات میں مثال نظر آتی ہے، نہ پچھلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں کوئی شہادت دی گئی، وہ صرف باپ دادا کی گمراہی میں یا اپنے پیشواؤں کی اندھی تقلید میں یا وہم وگمان کی بنیاد پر شرک کرتے ہیں، ان کا شرک اور گمراہی حق کے مقابلے بہت بودا' کمزور اور بے دلیل ہوتا ہے، مشرک انسانوں میں یقین کی بہت کمی ہوتی ہے، اس لئے کہ مختلف دیوتاؤں کے ساتھ وابستگی ان کے دل میں پختگی پیدا نہیں کرسکتی، جس طرح ایمان والے ایک اللہ کو مان کر اپنے عقیدہ وعمل میں مضبوط اور پختہ ہوتے ہیں اور کلمہ کی بنیاد پر ایک جسم بنے رہتے ہیں، مشرک انسانوں کا عقیدہ مکڑی کے جالے کی طرح بوسیدہ اور کمزور ہوتا ہے، جس سے ان کو مضبوط حوصلہ اور عزم نہیں ملتا، وہ اپنا یقین اللہ پر رکھنے کے بجائے اللہ کو مانتے ہوئے اسباب پر' عددی قوت پر، سامانِ زندگی پر رکھتے ہیں، اللہ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف بنایا، قوت اور سہارا دیا، ایمان کی تعلیم دی، اس میں زبردست حکمت' راز' عظمت اور قوت ہے، جب وہ خدا کو چھوڑ کر مخلوق کو کارساز سمجھتا ہے تو عقل کا استعمال نہ کر کے سب سے اعلیٰ صلاحیت ودماغ اور فہم رکھ کر مخلوقات کی غلامی اختیار کرتا ہے، مخلوقات سے نفع ونقصان کی امید رکھتا ہے، اس سے وہ اپنی حیثیت اور مقام سے گر کر حقیر چیزوں کا غلام بنا رہتا ہے

ابتداء ہی میں اللہ کی مدد آچکی تھی، اختلاف سے فتح شکست میں بدل گئی

منافق لوگ سمجھتے تھے کہ اللہ کی مدد ونصرت کا وعدہ نہیں تھا، بلکہ محمد ﷺ عام انسان ہیں، وہ اپنے ذہن سے محض مسلمانوں کو استعمال کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، اللہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب جنگ کی ابتداء ہوئی تو اللہ نے اپنی مدد ونصرت ہی کو شروع میں پورا کیا، جس کی وجہ سے تم دشمنوں پر غالب آچکے تھے، وہ بھاگ

رہے تھے، لیکن جب تمہاری ایک مختصر جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کر کے اپنے امیر کی اطاعت میں اختلاف کیا، اور رسول ﷺ کی ہدایت کے نہ ملنے کے باوجود مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے ٹیلے سے میدان میں آگئے، اور بعض لوگ مکمل فتح نہ ملنے کے باوجود مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، تو ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے پوری جماعت پر مصیبت آگئی اور اللہ نے فتح کو شکست میں بدل ڈالا، اس لئے کہ تم لوگ دشمن کا صفایا کرنے کے بجائے دنیا کے طالب بن گئے، ٹیلے والوں نے رسول کی اطاعت نہ کر کے دنیا کی خاطر رسول کی پرواہ نہیں کی، رسول کے حکم کو نظر انداز کر دیا، اللہ تعالیٰ کو ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد اس طرح کی نافرمانی کرنا سخت ناپسند ہے، وہ قطعی نہیں چاہتا کہ بندے ایمان کا دعویٰ کرے اور پیغمبر کی نافرمانی بھی کرے تو اللہ ایسے لوگوں کا اسلام کی صفوں میں ہونا پسند نہیں فرماتا، ان مختصر لوگوں کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی پوری جماعت کو نقصان اٹھانا پڑا۔

ایمان والے نافرمانی کریں تو آزمائش میں مبتلا کر دئے جاتے ہیں

اس لئے جب ایمان والوں سے اس قسم کی نافرمانی ہو جاتی ہے تو مفسر تدبر قرآن نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مجرموں اور باغیوں کی طرح عذاب دے کر ہلاک نہیں کرتا بلکہ آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، ابتلاء کی وجہ سے ان پر مختلف مصیبتیں، تکالیف اور پریشانیاں آجاتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ اپنے اندر کی نافرمانیاں دور کر سکتے ہیں، اور توبہ و استغفار کر کے اللہ سے رجوع ہوتے ہیں، ابتلاء کی وجہ سے ان کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، دو دو جگہ سزا نہیں دیتا، ہلاکت میں وہ کسی قوم کو اس وقت ہلاک کرتا ہے جب وہ اپنی اصلی اوصاف سے بالکل خالی ہو جاتی ہے، پھر اللہ نے یہ بھی مسلمانوں کو احساس دلایا کہ اللہ ہی کی نصرت و مدد اور تائید و حمایت تھی جس کی بدولت تمہارا دشمن تم پر پوری طرح قابو پا چکا تھا، اس کے باوجود اللہ نے ان کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور رعب ڈالا کہ وہ باوجود فتح پانے کے ان کی عقل و ہوش اور ہمتیں پست کر دیا، اور بلا وجہ شکست کھائے

بغیر میدان چھوڑ کر چلے گئے، یہ خوف و ہیبت کم ہمتی پیدا کرنا اور عقل وفہم ختم کرنا انسان کے اختیار میں نہیں، اللہ ہی کا کام ہے، چنانچہ وہ جان گئے کہ اگر مسلمان پھر اکٹھا ہو جائیں گے تو ان زخمی شیروں سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوگا، وہ موت سے نہیں ڈرتے، بہت دور جانے کے بعد پھر پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا، مگر ہمت نہ کر سکے۔

اللہ کی مدد کا وعدہ غیر مشروط نہیں ہے

نافرمانی پر ابتلاء سے جو لوگ دنیا کے لالچی اور دنیا کے طالب ہوتے ہیں وہ خود بخود چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ نے فتح کو شکست میں بدل ڈالا، پھر اللہ نے یہ بھی سمجھایا کہ اللہ کا فتح ونصرت کا وعدہ غیر مشروط نہیں ہے کہ ایمان والے جو رویہ بھی چاہیں اختیار کر لیں، جیسے چاہیں اعمال اختیار کر لیں، جس طرح چاہیں نفس کی اتباع کر لیں، اللہ کی مدد ونصرت ہر حال میں ان کے ساتھ اسی وقت رہتی ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وغلامی ہر حال میں کریں، بلکہ اللہ کی مدد کا وعدہ مشروط ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مسلمان اپنے فرضِ منصبی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں، رسول کے احکام کی جان بوجھ کر خلاف ورزی نہ کریں، مال کی محبت اور دنیا کی لالچ میں دنیا کے طالب نہ بنیں، اگر ایسا رویہ وہ اختیار کریں گے تو آزمائش میں مبتلا کر دئے جائیں گے۔

اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ ہر زمانے میں جو مسلمان ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد شراب، زنا، ناچ، گانا بجانا، ناحق قتل وخون جیسے کبیرہ گناہوں میں ملوث رہیں یا پانچ وقت کی نماز کی جگہ صرف جمعہ کی نماز کا اہتمام کریں، رشوت، سود اور ناجائز مالِ حرام، جوڑے کی رقمیں، یا مکان، دکان اور زمینات پر ناجائز قبضہ کریں، فضول خرچی کریں، بے پردہ پھریں، قرض ڈوبا دینے میں ملوث ہیں، تو وہ مبتلائے آزمائش ہو کر مصیبت وتکالیف کا شکار رہیں گے، اور ذلت ونا کامی میں مبتلا کر دئے جائیں گے۔

اور جو لوگ قرآن پر ایمان رکھ کر رسول اللہ کے امتی ہو کر، شرکیہ عقائد واعمال میں گرفتار رہیں گے ان پر غیر قومیں مسلط ہو جائیں گی اور وہ ان کی غلامی میں زندگی گذاریں

گے، قرآن مجید کے خالص عقیدے اور اعمال کو چھوڑ کر رسول اللہ کی طریقوں اور سنتوں کو چھوڑ کر زندگی گذاریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت نہیں مل سکتی، غزوۂ احد میں یہ اہم سبق قیامت تک آنے والے بسنے والے مسلمانوں کو بھی دیا جا رہا ہے۔

موت سے ڈر کر بھاگنے سے بزدلی پیدا ہوگی، مگر موت سے بچ نہیں سکتے

بعض لوگ غزوۂ احد سے پہلے جہاد میں حصہ لینے اور شہادت حاصل کرنے کا دکھاوا کرتے تھے، مگر غزوۂ احد میں جب موت سامنے آئی تو موت کے خوف سے میدان جنگ چھوڑ کر مدینہ کی طرف بھاگ گئے، انہیں کہا گیا کہ موت کے خوف سے تمہارا بھاگنا فضول ہے، کوئی انسان نہ تو اللہ کی لکھی تقدیر سے پہلے مر سکتا ہے نہ وقت مکمل ہونے کے بعد زندہ رہ سکتا ہے، تم کو موت سے بچنے کی نہیں آخرت کے بنانے کی فکر ہونا چاہئے۔

جنت میں آزمائش کے بغیر داخل نہیں کئے جاؤ گے، جب تک کہ ایمان کے ساتھ سخت جدو جہد اور مجاہدے جان و مال سے نہ کریں گے، جو لوگ جہاد کو دل سے پسند کرتے تھے اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں دین اور اسلام کی حفاظت کے لئے شہید ہونا چاہتے تھے، ہم نے ان کو شہید کا درجہ دے دیا، وہ مصیبت کے وقت بھی مخلص تھے، ایمان والوں کا مصیبت ہی میں امتحان ہوتا، عیش و آرام میں امتحان آسان ہوتا ہے، تمہارا محافظ اور ولی اللہ ہی ہے، اللہ ہی سے رجوع ہو، دنیا کے نافرمانوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ ہی سب سے بہترین مددگار ہے، جب انسان کی دنیا کی زندگی کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو ایک منٹ کے لئے وقت ٹل نہیں سکتا، اس لئے موت سے ڈر کر بھاگنے کے بجائے موت کے تعلق سے تقدیر پر بھروسہ اور ایمان رکھو۔

دنیا کے کاموں میں انسانوں کے منصوبے اور تدبیریں نہیں چلتیں

دنیا کی غیر مسلم قومیں، منافقین اور کمزور ایمان والے جو تقدیر پر مضبوط ایمان نہیں رکھتے، ان کا یہ احساس اور عقیدہ رہتا ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں انسان اپنی عقل و فہم، تدبیروں اور منصوبوں سے کامیاب ہو سکتے ہیں، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اصلی منصوبہ اور

تدبیر تقدیر الٰہی کے تحت ہوتی ہے، چنانچہ منافقین، مشرکین کی طرح خیالات کا اظہار کر کے کہنے لگے کہ اگر ہمارا مشورہ قبول کرتے اور ہمارے ساتھ رہتے تو نہ قتل ہوتے، نہ شکست ہوتی، حالانکہ دنیا میں جو بھی جانی و مالی تکلیف و نقصان ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ دنیا میں لانے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھ رکھا ہے۔

سورۂ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ اللہ کے لئے ایک معمولی بات ہے، اگر کوئی موقع تم سے کھو جائے تو تم غم نہ کرو اور جو چیز تمہیں عطا کی گئی ہے اس پر نہ اتراؤ، اللہ اکڑنے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی رائے پر عمل کرتے تب بھی تم اگر موت کے وقت اور گھروں میں موت سے بچنے کے لئے بند رہتے تو خود بخود تم کو جہاں جس وقت جس حالت میں موت آنا ہے، آ کر ہی رہتی ہے، تم خود بخود اپنی قتل گاہ پر پہنچ جاتے، جہاں تقدیر الٰہی میں تمہارے قتل ہونے کو لکھ دیا گیا، یہ عقیدہ ذہن میں رکھ کر اپنا فرض اور ذمہ داری ادا کرو، زندگی کی تمنا رکھنے سے بزدلی پیدا ہوتی ہے، جذبات کمزور ہوتے ہیں۔

کائنات کا نظام تقدیر الٰہی کے تحت چلتا ہے
تقدیر کے تحت ہی امتحان لیا جاتا ہے

سارے حالات تمہاری تدبیر، مشورے اور منصوبہ بندی سے نہیں ہوتے، ایک پتہ بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں گرتا، شکست اور فتح، قتل ہونا، زندہ رہنا، سب خدا کی تقدیر کے تابع ہے، صرف ان حالات سے تمہارا امتحان لینا مقصود ہے، کہ تم ان حالات میں اللہ پر نظر رکھتے ہو یا اسباب، اپنی تدبیروں اور منصوبوں پر نظر رکھتے ہو، یہ دیکھا جائے گا، کون تقدیر پر عقیدہ رکھ کر صبر کرتا ہے اور ایمان پر قائم رہتا ہے، کون گمراہ ہوتا ہے اور ایمان سے منحرف ہوتا ہے، تم کو جس حال میں بھی رکھا گیا اسی حال میں اللہ کی عبدیت و بندگی کرو۔

پچھلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں نے اپنی پیغمبروں کا ہر حالت میں ساتھ دیا، ایسے حالات میں ہمت نہیں ہاری اور نہ دشمن کے آگے گھٹنے ٹیکے۔

اس دور کے اکثر مسلمان بھی تقدیر پر کمزور ایمان رکھتے ہیں

اس کے ذریعہ ہم اپنے معاشرے پر غور کریں تو اکثر اوقات مسلمان قرآن پر ایمان رکھنے اور اللہ پر زبانی عمل کا اظہار کرنے کے باوجود جب منفی اور مصیبت والے حالات آتے ہیں تو اکثر مسلمان بھی غیر مسلموں کی طرح تقدیر پر کمزور ایمان کا اظہار اپنے عمل اور گفتگو سے کرتے ہیں اور اسباب سے نفع ونقصان کا اظہار کرتے ہیں۔

مثلاً کسی کی موت واقع ہو جائے تو ڈاکٹر یا دواؤں کو یا پھر حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ وقت پر صحیح دیکھ بھال کرتے تو ہمارا آدمی بچ جاتا' یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی صحیح معائنہ کرتے، یا ماں کی حفاظت کرتے تو دونوں کی جان بچ جاتی، یا بجلی کا میٹر رات میں بند رکھتے تو دکان میں آگ نہیں لگتی، یا پہلے سے میں فلاں کے ساتھ کام نہ کرتا تو یہ نقصان نہ ہوتا، یا فلاں ڈگری یا ہنر حاصل کرنے سے میں آج اس مقام پر ہوں، دولت اور جائیداد کی وجہ سے اطمینان سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی میں جو حالات آنا ہے' آکر رہیں گے، چاہے تم ان سے بچنے کے لئے کتنے ہی منصوبے اور احتیاطی تدابیر کرلو، اور جو حالات نہیں آنے ہیں' وہ کبھی نہیں آئیں گے۔

اس لئے انسان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ نافع اور ضار یعنی نفع اور نقصان اللہ کے اختیار میں ہے جو بھی حالات آئیں گے وہ تقدیر کا لکھا ہوگا۔

اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی جھوٹی خبر کو کس طرح سمجھایا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی جھوٹی خبر کے ذریعہ تربیت کی گئی اور ان تمام بکواس کا اور مسلمانوں کی کمزریوں کی اصلاح فوراً قرآن ہی کے ذریعہ کرنا ضروری تھا، سمجھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ خدا تو نہیں کہ ان پر موت نہ آئے، وہ ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں، وہ قیامت تک رہنے والے نہیں ہیں، آپ کے بعد مسلمانوں کو قیامت تک دین پر ثابت قدم رہنا ہے، اس عارضی شکست اور رسول اللہ ﷺ

کے زخمی ہونے یا وفات کی جھوٹی خبر میں یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ آپ کی زندگی کے بعد جو حالات یا کیفیت مسلمانوں پر پیدا ہو سکتی تھی، اس کی اصلاح بھی آپ کی دنیوی زندگی ہی میں ظاہر کر دی جائے اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی اصلاح کی گئی تا کہ آپ کی وفات کے بعد مسلمان ثابت قدم رہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت جو حالات پیدا ہوئے اور صحابہؓ کی جو کیفیت تھی، حضرت ابوبکرؓ نے یہی آیات سنا کر انہیں سنبھالا اور وہ سنبھل گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے سب گذر چکے، آپ ﷺ بھی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے، اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید کر دئے جائیں تو کیا تم لوگ اسلام سے پھر جاؤ گے؟ جیسا کہ بعض لوگوں نے اس غلط خبر پر جہالت کی باتیں کی اور بھاگ گئے اور کہا چلو اپنے آبائی دین کی طرف، جو اسلام سے پھر جائے گا وہ اللہ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا' خود اپنا نقصان کرلے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، اللہ ثابت قدم رہنے والے' شکر گذار و صبر اختیار کرنے والے ایسے ہی بندوں کو ثواب عطا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جہالت کی بکواس پر احساس دلایا کہ اگر تمہاری حق پرستی اسلام سے وابستگی محض محمد ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے اور تمہارا ایمان واسلام اتنا کمزور بنیادوں پر ہے کہ محمد ﷺ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے اللہ نے نکال کر لایا ہے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی اس غلط فہمی اور کمزور عقیدہ میں مبتلا ہو کر اسلام لایا ہے تو پھر وہ جہالت کی طرف چلا جائے اور جہالت اور اسلام کے فرق کو سمجھ ہی نہ سکے، اسلام کے قدردان نہ بنے تو اللہ کو ایسے انسان کی پروا نہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں، پیغمبروں سے الگ نہیں، انہیں بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح اس دنیا سے جانا ہے، جبکہ دین اسلام تو دنیا میں قیامت تک باقی رہے گا، اس طرح سمجھا کر منافقین کے پروپگنڈے کا جواب دیا گیا، اور

عام مسلمانوں کے دلوں کے وہم اور وسوسوں کو دور کیا گیا۔

منافقین اور یہود کی ان باتوں سے کمزور قسم کے اور نئے مسلمان متاثر ہوئے تھے، فوراً سنبھل گئے، اللہ نے ان کو معاف کر دیا، اس کے بعد ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ فتح و نصرت دلانا اللہ کے اختیار میں ہے، وہ حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا، ہماری ہی نافرمانی کی وجہ سے فتح کو شکست میں بدل دیا گیا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بے شعوری والا ایمان رکھتی ہے

اگر ہم مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو بہت سے مسلمان مسلم ماں باپ کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور بے شعوری کے ساتھ کلمہ پڑھ کر قانوناً مسلم بنے رہتے ہیں، مگر انہیں اسلام اور شرک کا فرق ہی نہیں معلوم ہوتا ہے، وہ شرکیہ عقائد و اعمال پر زندگی گذارتے ہیں، جب منفی حالات پیدا ہوتے ہیں تو جان بچانے کے لئے گھبرا کر مرتد ہو جاتے ہیں، یا غیر مسلموں میں مل جاتے ہیں، یا غیر مسلموں سے محبت میں گرفتار ہو کر شادی کر لیتے ہیں، غیر مسلم بن جاتے ہیں یا شادی میں مشکلات پر نکاح نہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔

مخلص ایمان والے ہر حالت میں اسلام پر جمے رہتے ہیں

مخلص صحابہ کرامؓ، جب غزوۂ احد میں انہیں شکست اور ناکامی ہوئی، وہ زخمی بھی ہوئے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ استقامت سے جمے رہے، کسی طرح کی غیر اسلامی باتیں نہیں سوچیں اور نہ کیں، اور جنگ کے دو دن بعد جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے آگے چل کر مقابلہ کرنے کو کہا تو باوجود زخمی ہو جانے کے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے، انہوں نے تمام حالات کو اللہ کی طرف منسوب کیا، اپنی غلطی سمجھی اور اصلاح کی فکر کی، اللہ سے معافی مانگی، ان کو دو قسم کا غم ہو گیا، ایک شکست کا، دوسرے پیغمبر کے تعلق سے کفار کی اُڑائی ہوئی غلط افواہ کا، کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے اور پیغمبر کے پکارنے کے باوجود بے صبرے ہو کر بدحواس ہو کر کوئی توجہ نہیں دی اور ناقدری کی۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کی مختلف کمزویوں کی اصلاح کی گئی

☆ نئے اور نوجوان صحابہؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ احد کی شکست میں اللہ نے مشرکین کی مدد کی، جبکہ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے آئے تھے اور اللہ کا وعدہ نصرت ہمارے ساتھ تھا، اللہ کا رسول خود میدان جنگ میں ہمارے ساتھ موجود تھا، پھر بھی شکست کھا گئے، اس کے برعکس جو لوگ دین کو مٹانے آئے تھے مدد ان کے ساتھ رہی۔

☆ وہ یہ نہیں سوچے اور سمجھے کہ صبر کا دامن ہم میں سے اکثر لوگ چھوڑ دئے تھے، تقویٰ کے خلاف، مال غنیمت کی محبت میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی، آپس میں اختلاف رائے سے امیر کی اطاعت نہ کر کے اختلاف کیا، اور اپنی مرضی پر عمل کیا، شروع میں اللہ نے وعدہ ضرور پورا کیا اور ابتداء ہی میں مسلمان غالب ہو گئے تھے، لیکن جماعت کے اندر کے چند لوگوں کی کمزوریوں کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی، ہم میں کہ اکثر لوگ مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

☆ اللہ نے بتلایا کہ وہ ظلم، کفر اور شرک کرنے والوں سے کبھی محبت نہیں کرتا، اگر ان کو کامیابی ملی ہے، تو اس میں غلطی تمہاری جماعت کی ہے، اگر فوراً اس کا علاج نہ کیا جاتا تو امت آئندہ اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہیں کر سکتی تھی اور دنیا کے لئے مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی تھی، اور ان میں دین کی حقیقی روح پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

☆ غزوۂ بدر کے بعد احد کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور پھر نافرمانی کے باوجود بھی فتح ہوتی تو نئے صحابہؓ اور نوجوان غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے کہ ہمارے جوش' جذبہ' قوت اور ہمت کی وجہ سے فتح حاصل ہوئی، ہم بہت بہادر ہیں، مشرکین ہمارے مقابلے ڈرپوک' بزدل' کم ہمت اور کمزور ہیں، ہمارے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے، ہم کو شکست دینا ناممکن ہے۔

☆ اس طرح رسول کی نافرمانی کے باوجود فتح ملتی تو اللہ تعالیٰ سے نفع و نقصان ملنے کا

عقیدہ نہیں رہتا تھا، نگاہ اللہ کے بجائے اپنے جوش' جذبہ' قوت اور ہمت جیسے اسباب پر جم جاتی، اور یہ تصور قائم کر لیتے کہ بدر میں تعداد کم ہونے کے باوجود ہمیں فتح ہوئی، اب تو تعداد زیادہ تھی اس لئے فتح ملی، اس طرح افرادی تعداد' ہمت اور قوت پر یقین بیٹھ جاتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگاہ ہٹ کر اسباب سے فتح ملنے کا یقین بیٹھ جاتا اور اللہ کی طرف سے فتح ملنے کا یقین کم ہو جاتا، جو حقیقی اور شعوری ایمان کے خلاف عقیدہ ہوتا۔

☆ اس طرح کی ذہنیت اور نافرمانی کے باوجود فتح ملتی تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت کی اہمیت بھی پوری طرح باقی نہ رہتی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور حکم بجالانے میں کمزوری ہی کمزوری آجاتی، اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مقابلے اپنے عقل اور نفس کی خواہش پر دین کی پابندی شروع ہو جاتی، اور یہ سمجھا جاتا کہ ہماری رائے پر شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے کامیابی ملی اس لئے ہمارا منصوبہ اور مشورہ دانشمندانہ تھا۔

☆ تقدیر پر مکمل ایمان و یقین' کامل ایمان کی علامت ہے، کامیابی و ناکامی اللہ کی صفات نافع و ضار سے ہوتی ہے، اس لئے ایمان والوں میں کامیابی و ناکامی کا احساس خالص اللہ تعالیٰ سے ہونا بہت ضروری ہے۔

☆ زخمی ہونے، جینے مرنے کا عقیدہ تقدیر الٰہی کے تحت ہونے کا مومن کو احساس ہونا ضروری ہے، اگر یہ احساس زندہ نہ رہے تو انسان ہمیشہ افرادی قوت' ہتھیار' سامانِ جنگ اور اپنے منصوبے و تدبیروں پر عقیدہ قائم کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کھلے طور پر سمجھایا کہ جنگ بدر میں دشمنوں کی تعداد زیادہ ہونے اور سامانِ جنگ زیادہ ہونے اور اچھی جگہ پر قبضہ کرنے کے باوجود اللہ نے اپنی صفت ضار سے دشمن کی کمر توڑ دی اور ایمان والوں کی تعداد کم ہونے کے بعد اپنی صفت نافع سے کامیابی عطا کی اور صفت حفیظ کا اظہار کر کے دشمن سے حفاظت فرمائی۔

☆ منافقین کی بکواس کہ ہمارا مشورہ قبول کرتے تو قتل نہ ہوتے، اس پر فرمایا کہ اللہ نے اپنی تقدیر کے ذریعہ ہر مخلوق کی موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے، جب کسی کی موت کا

وقت آجاتا ہے تو وہ انسان خود بخود اپنے مقام سے چل کر قتل گاہ پر آجاتا ہے، جس طرح جنگ بدر میں مکہ کے بڑے بڑے سردار جو دشمن کی ریڑھ کی ہڈی تھے' تقدیر کے لکھے کے تحت اندھے بن کر اپنی قتل گاہ بدر کے مقام پر بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ آئے اور ایک ساتھ کئی سردار اسی مقام پر قتل کردئے گئے جو مسلمانوں کی قوت اور منصوبے کے اعتبار سے ناممکن تھا، لیکن اللہ کی قدرت میں ہر چیز ممکن ہے۔

☆ اس لئے منافقین کی بکواس پر کہا گیا کہ وقت سے پہلے کسی کی موت نہیں آتی، نہ وہ زخمی ہوسکتا ہے، نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، گویا مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ منافقین کی بکواس پر توجہ مت دو، تقدیر الٰہی کے تحت جس کی موت جہاں لکھی ہوئی ہے، وہ وہیں آتی ہے۔

☆ جن لوگوں کی تقدیر میں اللہ نے پہلے ہی شہادت لکھ دی تھی تو وہ خود شہادت کے شوقین بنے، شہادت کی تمنا کرتے تھے، تو وہ احد کے میدان میں شہید ہوگئے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے میں بھی تمہارے لئے امتحان ہے، کہ کیا ان حالات میں بھی تم رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مانتے ہو یا نہیں؟ یا شک کرتے ہو؟ ان کا زخمی ہونا تمہارے ایمان میں کوئی کمی نہ لائے اور اپنے دل میں منافقین کی باتوں سے ان کے تعلق سے وسوسے پیدا نہ کرو، اور ان کو اللہ کا سچا پیغمبر مانو، جنگ میں کمزوریوں کی وجہ سے یہ سب حالات آئے ہیں۔

☆ پیغمبر کے زخمی ہونے اور دانت شہید ہونے پر پیغمبر کی پیغمبری پر شک مت کرو، بلکہ تمہاری غلطی نافرمانی اور جلد بازی کی وجہ سے ان کو نقصان ہوا، یہ بھی تقدیر الٰہی کا لکھا تھا، ورنہ تمہارے پیغمبر اللہ کے رسول ہیں، رسول کو کوئی قتل نہیں کرسکتا، ان کے زخمی ہونے پر شک کرنا یا ان کو عام انسان سمجھنا ایمان نہیں' منافقانہ ذہن ہے، ہر حال میں پیغمبر پر مکمل اعتماد کرنا کامل ایمان ہے، اس لئے جو بھی حالات پیدا ہوئے وہ سب پیغمبر کی نافرمانی اور تمہارے نفس ہی کے فیصلے سے ہوئے، اپنی غلطی کا احساس کرو، نہ کہ پیغمبر کی غلطی سمجھو۔

☆ ایسے حالات میں ایمان والے حقیقت کو سمجھ کر بکواس نہیں کرتے اور نہ بکواس پر

توجہ دیتے ہیں، اوران باتوں کو شیطانی بکواس سمجھتے ہیں، وہ اپنی اصلاح کر کے اللہ سے توبہ کرتے ہیں، اور آئندہ اپنے پیغمبر کی آنکھیں بند کر کے بھرپور اطاعت کرنے کا پختہ عزم وارادہ کر لیتے ہیں۔اور منافقین کی اس طرح کی بکواس سے ثابت ہوگیا کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کون ایمان سے خالی ہے۔

☆ دنیا کی عارضی شکست اور وقتی مصیبت کے حالات سے ایمان والے اللہ سے ناامید نہیں ہوتے، بلکہ تمام حالات کو تقدیر الٰہی کی جانب سے آنے کا تصور رکھتے ہیں، اور اپنی جدوجہد برابر جاری رکھتے ہیں، اس لئے کہ پیغمبر موجود ہوں یا نہ ہوں دین کی حفاظت کرنا ایمان والوں ہی کی ذمہ داری ہے، پیغمبر کی غیر موجودگی میں وہ اللہ کے دین کو مٹنے کے لئے نہیں چھوڑ دیتے، چاہے وہ اقلیت ہی میں کیوں نہ آجائیں، اللہ کے نام پر شہید ہونا گوارا کرتے لیکن دین کے جھنڈے کو بلند رکھنا چاہتے ہیں۔

اس جنگ میں صحابہ کرامؓ کے ناامید ہونے یا ہتھیار ڈال دینے یا جنگ ہی نہ کرنے کے ارادہ پر یہ تعلیم دی گئی، اس لئے کہ جو انسان دین اسلام کو حق جاننے کے بعد ایمان لاتا ہے وہ مجبوری محتاجی اور ناامیدی سے بچ کر اللہ پر یقین رکھ کر اکیلے ہی کیوں نہ ہو دین کو سربلند کرنے کے لئے تڑپتا ہے اور جدوجہد کرتا ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مشرکانہ معاشرے میں اکیلے ہی جدوجہد کی' یہ حالات تو امتحان و آزمائش کے لئے آتے رہیں گے۔

☆ موت کے خوف سے بھاگنا انسان کی بزدلی اور کم عقلی بتلایا گیا، اس لئے کہ ایک نہ ایک دن موت سے ہر انسان کو گذرنا ہے، موت سے کوئی جاندار بچ نہیں سکتا، موت کا خوف نہ رکھنے کی تعلیم دی گئی اور احساس دلایا گیا کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنے والے موت سے نہیں گھبراتے، وہ جانتے ہیں کہ وقت سے پہلے موت نہیں آتی۔

☆ شکست میں بدحواس ہوکر میدان چھوڑ کر بھاگ جانا اور پیغمبر کو تنہا چھوڑ کر، اور جب وہ بلائیں تو لبیک نہ کہنا اور ہوش وحواس کھودینا صبر وتقویٰ کے خلاف ہے، اطاعت وفرمانبرداری

نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جان و مال سے زیادہ محبت کرنا اوران کی اطاعت میں قربانی دیناہی ایمان کی علامت ہے،ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے' سمجھنا ہوگا۔

☆ دکھاوے کے لئے جہاد کا جھوٹا جذبہ ظاہر کرکے' موت کو دیکھ کر بھاگنے والوں کو احساس دلایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری نہیں ہے،ان کا یہ امتحان تھا کہ ان کے دل کی اصل حقیقت کھول دی گئی کہ کون سچا ہے اورکون جھوٹا۔

☆ اسلام اور پیغمبر کے متعلق گمراہ بکواس پر پروپگنڈے اور تنقیدوں سے متاثر نہ ہونا اور رسول پر کامل بھروسہ کرنے کی تعلیم دی گئی، اور قیامت تک آنے والوں کو مرتدین و غیرمسلموں کی جانب سے اسلام پر یا پیغمبر پر یا قرآن پر غلط پروپگنڈے اور تنقیدوں سے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہونے اور ایمان میں کمزوری پیدا نہ کرنے کی تعلیم بلاواسطہ دی گئی ہے۔

☆ اس جنگ میں یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ غلط افواہ مثلاً مسلمانوں کی شکست' یا رسول اللہ ﷺ کی موت' یا مسلمانوں کے مرتد ہوجانے پر دین سے نہ پھرنا اور رسول کے بعد یا مسلمانوں کی شکست کے بعد بھی اللہ کا بھیجا ہوا دین قیامت تک باقی رہے گا،کوئی اسے اپنی پھونکوں سے نہیں مٹا سکتا، جولوگ مختلف منفی حالات میں یا رسول کی وفات کے بعد دین پر رہنا نہیں چاہتے' ایسے انسانوں کی اللہ کوضرورت ہی نہیں ہے،مومن وہی ہے جو اسلام و غیراسلام کے فرق کوسمجھ کر حق و باطل کو پہچان کر ایمان لاتا ہے چاہے کیسے ہی حالات آئیں ایمان واسلام کونہیں چھوڑتا،مضبوطی کے ساتھ ڈٹا رہتا ہے،اللہ جس پر فضل فرماتا ہے اسے ہی اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔

اس لئے ایمان جیسی عظیم نعمت کے ملنے پر قدر کریں،اس لئے جوبھی حالات آئیں یا غیرمسلموں کی بکواس پر کان نہ دھریں اور ایمان واسلام پر ثابت قدم رہیں،اس طرح کے امتحان قیامت تک آتے رہیں گے، اپنے ایمان کی قدر کریں، اور اللہ کے شکرگذار بنیں اوراپنی آخرت کا نقصان نہ کریں،ان باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ دنیا کا مال ومتاع نہ ملنے پر افسوس اور محرومی تصور نہ کرو، مقدر کے مطابق ہی دنیا

ملنے کا عقیدہ رکھو، دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ رکھا ہے، یہ عقیدہ رکھ کر دین کی اور پیغمبر کی اطاعت کے لئے دوڑو، مال کے بندے نہ بنو اور دنیا میں جو کچھ ملے اس پر قناعت کرو، دنیا کے لالچی اور حریص نہ بنو، رسول کی نافرمانی کر کے دنیا حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ صرف دنیا کا بدلہ چاہتے ہیں ہم ان کو دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں، آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہوگا، اور جو آخرت کے طلبگار ہوں ان کو آخرت کا ثواب دیں گے۔

☆ قیامت تک آنے والے انسانوں کو مسلمانوں کے ساتھ رہ کر منافقانہ حرکتیں نہ کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے، ان کو کمزور اور پست ہمت کرنے اور دشمنوں کی مدد کی سازش کرنے والوں کو سخت عذاب کا احساس دلایا گیا، اس لئے کہ اللہ خبیر ہے، دلوں کے احوال کو خوب جانتا ہے، اور احساس دلایا گیا کہ یہ حرکتیں کر کے تم اپنے آپ کو پیغمبر کے یا مسلمانوں کے وفادار ثابت نہیں کر سکتے، جن لوگوں نے یہ حرکت کی ان میں مومن اور منافق کی پہچان ہوگئی اور ان کا نفاق سب کے سامنے کھل کر آ گیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے احد کی شکست کے ذریعہ سب سے بڑا سبق یہ دیا کہ اللہ کی مدد اور نصرت کی شرط کب ملتی ہے اور کب نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ میں سچا ہے، وہ بندوں سے جو بھی وعدہ کرتا وہ غیر مشروط نہیں ہوتا کہ ایمان والے محض کلمہ پڑھ کر ایمان کا دعویٰ کر کے جو عمل چاہے اختیار کر لیں' جس کی چاہے اطاعت کر لیں، اس کا وعدہ نبی کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے' سمجھایا گیا۔

☆ صحابہ کرامؓ کو یہ بات بلاواسطہ سمجھائی کہ دشمن غلبہ پانے کے بعد ہمت ہار کر اور گھبرا کر میدان جلد چھوڑ گئے اور پھر آگے جا کر اپنی فتح کا احساس کیا، مگر پلٹ کر پھر وار کرنے کی ہمت نہ کر سکے، جبکہ دلوں میں ہمت وحوصلہ کی کیفیت خود پیدا کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں ہے، دراصل اللہ نے یہ درس دیا کہ مسلمانوں کی شکست کے باوجود ان کا محفوظ رکھنا اللہ کی صفت حفیظ ہی سے ہوا ہے، پھر زخمی ہونے اور شکست کھانے کے بعد دوبارہ حملہ

کرنے کی ہمت عطا کرنا اللہ کی صفت نصیر سے ہوئی، جس سے دشمنوں کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ واپس چلے گئے۔

ان سب باتوں کی توفیق دینا انسانوں کی تدبیر اور منصوبے کے تحت نہیں ہوتی، دنیا کے امور انسانی تدبیروں سے نہیں چلتے، اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں گرتا، اس لئے جو بھی حالات آتے ہیں وہ تقدیر کے لکھے سے آتے رہتے ہیں، ان حالات میں تمہاری عبدیت و بندگی کا امتحان لیا جاتا ہے، تم اپنے منصوبے اور تدبیریں کچھ بھی کرلو جو حالات آنا ہے وہ آ کر ہی رہتے ہیں، اس لئے صبر اور شکر والے راستے کو اختیار کرو، یہ اسی وقت ہوگا جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کرو۔

☆ غیر ایمان والوں کی طرح دنیا کے کاموں کو اپنی محنت' تدبیر یا اسباب کا اثر نہ سمجھو، دنیا میں کامیابی و ناکامی اسباب پر خیال نہ کرو، اکابر صحابہ حقیقت شناس تھے، وہ کسی غلط فہمی اور نافرمانی میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ رسولؐ کے بلانے پر قریب آ کر جمع ہوگئے۔

نئے اسلام قبول کرنے والوں کو نصیحت

جب انسان اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو دنیا کی اس زندگی میں فوراً مختلف مخالف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے ذہنوں میں یہ خیالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ یہ اگر اللہ کا راستہ ہے تو اتنا دشوار گذار کیوں ہے؟ اگر اس دین کی دعوت دینے والے اللہ کے رسول ہیں تو ان کو مار پیٹ کیوں کی جاتی ؟ زخمی کیوں کیا جاتا ؟ گالیاں کیوں دی جاتیں؟ پھر ان پر ایمان لانے والوں پر اتنا جان لیوا ظلم کیوں ہوتا ہے؟ آخر اللہ اپنے دین کی اور رسول کی غیب سے حفاظت اور مدد کیوں نہیں کرتا؟ جب انسان ایمان کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف نہیں رہتا تو ایمان کمزور کر لیتا ہے یا منافقانہ سوچ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر ایمان کا دعویٰ کرنے سے اللہ کی مدد اور نعمتوں کے وعدہ کے حقدار نہیں بن سکتے، جب تک ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد اس کا ثبوت عمل سے نہ دو، اس کی راہ میں اس کی خاطر مشکلات برداشت نہ کرو، یقینی بات ہے

کہ جب ایمان لائیں گے تو نفس کی' ماں باپ کی' خاندان اور قبیلوں کی، حتّٰی کہ وقت کی حکومت کی مخالفت اور مظالم کا سامنا کرنا پڑے گا، مال کا نقصان برداشت کرنا ہوگا، جسم کی حفاظت کے لئے ایمان کو ضائع کر کے مت آوٴ، بلکہ ایمان کی حفاظت کے لئے جسم ضائع ہوتا ہے تو اسے ایک نہ ایک دن ضائع ہونا ہے، یہ مت سمجھو کہ ایمان قبول کرتے ہی پھولوں کی چادر پر چلو گے، پچھلی قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا، یہ ہر زمانے میں ہوتا رہے گا، دنیا کی زندگی تو مختصر ہے، یہ چندروزہ تکالیف ہیں، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، صرف ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد موٴمنین اور منافقین کی فہرست میں درج نہیں ہوسکتے، آزمائش سے ایمان کے دعویٰ کی سچائی اور جھوٹ ثابت ہوجاتا ہے، اگر یہ امتحان نہ لیا جائے تو عملی اعتبار سے کیسے ثابت ہوگا کہ کون دعویٰ میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔

اللہ تعالیٰ ایمان کی بدولت انسان کو اپنی رضا اور جنت میں اونچے درجات دینا چاہتا ہے، اپنے علم کے مطابق دینا نہیں چاہتا، عملی ثبوت دینا ہوگا، جو لوگ ایمان لائے ہیں اس سے خود ان ہی کو فائدہ ہے، وہ خدا پر کوئی احسان نہیں کررہے ہیں۔

جنگ احد کے حالات سے ہر مسلمان اپنا جائزہ لے

ہمارے ایمان میں کمزوری ہونے یا ہمارا بے شعوری' تقلیدی' خاندانی باپ دادا جیسا ایمان رکھنے کی وجہ سے ہم دین میں پورے پورے داخل نہ ہوکر رسمی انداز پر نامکمل انداز پر دین کو اختیار کئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں مگر اعمال انہیں کے اختیار کرتے ہیں جو اللہ اور رسول کے مخالف اور دشمن ہیں، تہذیبِ اخلاق' معاشرت میں مسلمان ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ نظر نہیں آتے، یہود و نصاریٰ کے کلچر کو پسند کرتے ہیں، رسولؐ کے امتی ہوتے ہوئے مغرب کی تقلید کرتے ہیں۔

کلمہ پڑھتے ہیں لیکن توحید اور شرک کا ملا جلا عقیدہ رکھتے ہیں اور شرکیہ عقائد و اعمال کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی دولت' اپنا وقت' دین کے مقابلے دنیا حاصل کرنے میں

خرچ کرتے ہیں، اور گناہ کے اعمال سے دین کو مٹانے کی محنت کررہے ہیں، اولاد کو اللہ کا فرمانبردار بندہ بنانے کے بجائے باغی و نافرمان بنانے میں ان پر دولت خرچ کرتے ہیں اور وہ دنیادار ڈاکٹر، انجینئر یا اعلیٰ ڈگریوں والے بنیں تو ان پر فخر کرتے ہیں، لیکن دین سے ان کے محروم رہنے پر کوئی غم اور افسوس والدین کو نہیں ہوتا، دین کی پابندی زیادہ سے زیادہ جمعہ کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج تک رسمی انداز پر کرلیتے ہیں، زندگی کے باقی تمام کاموں کو اپنی یا دنیا کے باطل انسانوں کی بڑائی واطاعت وغلامی میں انہی کی طرح کرتے ہیں، جبکہ اذان اور نماز میں اللہ اکبر کہہ کر اللہ کو مسجد کی حد تک بڑا مانتے ہیں، ان کے بڑے لوگ اتحاد کی اپیل کرتے ہیں، مگر خود کئی کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

غور کیجئے اگر اسلام سے وابستگی کے بعد ہماری حالت ایسی ہی رہی تو صحابہؓ کی ذرا سی غلط فہمی اور غلطی پر اور پیغمبر کی نافرمانی پر وہ مصیبت میں ڈال دئے گئے، اور اللہ کی مدد و نصرت سے دور ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں کو مثال بنا کر قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کی تربیت ورہنمائی کا انتظام کیا، تا کہ ہم ہوش وحواس کے ساتھ زندگی گذاریں، خوش فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

یہ کیسی جہالت اور نادانی ہے کہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سمجھنا بھی نہیں چاہتے، یہ کیسا قرآن پر ایمان ہے کہ اس کو اللہ کا کلام اور اپنے لئے نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات مانتے تو ہیں لیکن جان بوجھ کر اسی کے ہر حکم کے خلاف عمل کرتے ہیں، کیا یہ اللہ کے ساتھ وفاداری ہے؟ یا بغاوت؟

مجرموں میں وہ مجرم جو قانون اور ضابطوں سے واقف نہ ہو کم درجہ کا مجرم کہلاتا ہے، مگر جو قانون اور ضابطۂ حیات سے واقف ہو اس کے باوجود قانون کی پابندی نہ کرے تو وہ اللہ کی نظر میں زیادہ بڑا مجرم کہلاتا ہے، کیا ایسے انسانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ملنے کی امید ہے؟ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری ہے؟

☆☆☆☆☆

ہابیل اور قابیل کی زندگی سے ملنے والا سبق

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ٥ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَآ أَنَاْ بِبَاسِطٍ يَّدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَكَ إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ٥ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الظَّالِمِينَ ٥ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ٥ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَاباً يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَآ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ٥ (المائدہ:۲۷ تا ۳۱)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ، جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی، اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ ”میں تجھے قتل کر ڈالوں گا، پہلے نے کہا کہ اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں۔ اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انجام کار تم اپنے اور میرے دونوں کے گناہ میں پکڑے جاؤ، اور دوزخیوں میں شامل ہو، اور یہی ظالموں کی سزا ہے“۔ آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دِکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، (یہ دیکھ کر) وہ بولا: ”ہائے

افسوس! کیا میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا''، اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا۔

پہلی آیت میں لفظ ''بالحق'' فرمایا گیا، اس میں گویا یہ تعلیم دی گئی کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازمی ہے، جس میں کوئی جھوٹ نہ ہو اور نہ دھوکہ اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی ہو، قرآن نے دوسرے مواقع پر بھی لفظ حق لاکر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا ہے، نقل واقعات میں حق وصداقت کی رعایت لازمی اور ضروری ہے، عام طور پر واقعات بیان کرنے میں بے احتیاطی برتی جاتی ہے، پچھلی اقوام کے مذاہب وشریعتوں میں اسی بے احتیاطی کی وجہ سے ان کی مذہبی کتابیں چند بے سند وبے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں، جس کے پڑھنے سننے والوں کو کوئی عبرت ونصیحت نہیں ملتی، نہ ان کے واعظین کوئی نصیحت والے نکات عوام کو سمجھا سکتے ہیں۔ (معارف القرآن، ابن کثیر)

قرآن مجید کوئی قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں ہے

قرآن مجید کوئی قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں بیان کیا گیا ہر واقعہ سچا ہے، اور انسانوں کی عبرت ونصیحت کے لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کو سدھارے، ہر واقعہ سے فائدہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس میں عبرت ونصیحت کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔

ابن کثیرؒ نے صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی اس واقعہ کو علماء سلف وخلف نے متفقہ قول قرار دیا ہے، یہ واقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے کئی ہزار سال پہلے کا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کر کے انسانوں کو اس واقعہ سے نصیحت کی جارہی ہے، اس سے قرآن مجید کی سچائی اور رسول اللہ ﷺ کے برحق نبی ہونے کو سمجھایا جارہا ہے، حضور ﷺ ہزاروں سال بعد پیدا ہونے کے باوجود اس واقعہ کے اہم نکات وحی کے ذریعہ بیان کئے ہیں، گویا قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے موجود نہ ہونے کے باوجود اس قصہ کو بیان کر کے

انسان کو اپنی سچائی کی تعلیم دے رہا ہے، تورات میں بھی یہ قصہ بیان کیا گیا ہے، تورات اور قرآن کے بیان میں واضح فرق ہے، نہ وہاں اس واقعہ سے عبرت ونصیحت دلائی گئی ہے اور نہ ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا، تحریف کے ذریعہ اصل حقیقت ہی غائب کردی گئی، تورات میں تحریف کے ذریعہ ہابیل کا وہ پہلو جو تقویٰ' پرہیزگاری اور اللہ کی اطاعت وغلامی کے لئے تھا اسے غائب کردیا گیا، جس سے انسانوں کو اللہ کی اطاعت کی مثال ونمونہ نہیں مل سکتا، اور قابیل کے کردار کو بھی ادھورا پیش کیا گیا، قرآن نے اس واقعہ کو حق کے ساتھ پیش کیا اور قابیل کے کردار کے وہ حصہ بھی بے نقاب کیا ہے، جو شریعت الٰہی کی کھلے طور پر خلاف ورزی ہے، اور ہابیل کی عبدیت وبندگی کو بھی نمایاں کیا ہے۔

جب حضرت آدم وحوا علیہما السلام دنیا میں بھیج دئے گئے تو نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت حواؑ سے ہر حمل میں دو بچے پیدا ہوتے تھے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے اللہ نے شریعت میں یہ حکم دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوں گے وہ آپس میں حقیقی بھائی بہن سمجھے جائیں گے، ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، ان کے درمیان نکاح حرام ہے، یہ اس وقت کی شریعت کا حکم اور طریقہ تھا، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکا لڑکی پہلے حمل سے پیدا ہونے والے آپس میں حقیقی بہن بھائی کے حکم میں نہیں ہوں گے، پہلے حمل کا لڑکا' دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، اسی طرح دوسرے حمل کا لڑکا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔

پہلے حمل سے پیدا ہونے والے قابیل کے لئے آزمائش کا وقت آگیا، اس کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی شریعت کے اعتبار سے اس کی سگی بہن تھی، وہ بہت خوبصورت اور حسین تھی، دوسرے حمل سے جو لڑکی ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی وہ زیادہ حسین نہیں تھی، قانونِ شریعت کے مطابق قابیل جو عمر میں بڑا تھا دوسری حمل والی لڑکی ہی سے نکاح ہوسکتا تھا، چنانچہ قانونِ شریعت کے لحاظ سے حسین وخوبصورت لڑکی جو قابیل کی حقیقی بہن تھی وہ ہابیل کے حصے میں آرہی تھی، اس پر قابل راضی نہ ہوا، اور ہابیل کی بہن سے نکاح کرنے

سے انکار کردیا اور نفسانی خواہش یعنی نفس امارہ کے غلبہ میں اپنی ہی بہن جو خوبصورت و حسین تھی اسی سے نکاح کرنا چاہتا تھا، اور ہابیل کو راستے سے ہٹانے کے لئے زبردستی دشمن بن کر اس کے قتل کا ارادہ کرلیا، حالانکہ اس میں ہابیل کا کچھ بھی قصور نہیں تھا، وہ شریعت کے تحت نکاح کرنا چاہتا تھا، پیدا کرنے والے اللہ ہیں اللہ ہی کی مرضی سے اولاد زیادہ خوبصورت یا قبول صورت پیدا ہوتی ہے۔

چنانچہ قابیل نے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی قبول صورت لڑکی سے نکاح کرنے سے انکار کرکے اپنے ساتھ پیدا ہونے والی خوبصورت لڑکی جو شریعت کے حساب سے اس کی حقیقی بہن تھی اس سے نکاح کرنے پر اصرار کرنے لگا، حضرت آدمؑ سے کہا کہ وہی میرے نکاح میں دی جائے، حضرت آدمؑ نے قانون الٰہی کے تحت اس بات کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور فیصلہ یہ کیا کہ دونوں اللہ سے رجوع ہوکر اپنی اپنی قربانیاں پیش کرو، اللہ جس کی قربانی قبول فرمائے گا یہ خوبصورت لڑکی اس کے نکاح میں دے دی جائے گی، حضرت آدمؑ کو یقین تھا کہ جس کا حق ہے اللہ اسی کی قربانی قبول کرے گا اور جو حق پر ہے اسی کے حصے میں یہ خوبصورت لڑکی آئے گی، یعنی ہابیل کے حصہ میں آئے گی۔

اس وقت قانونِ الٰہی کا طریقہ یہ تھا کہ جس کی قربانی قبول ہو اس کی واضح اور کھلی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی، اور جس کی قربانی کو آگ نہ کھائی تو یہ علامت اس کی قربانی مقبول نہ ہونے کی ہوتی تھی۔

ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں، اس نے اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ عمدہ اور صحت مند دنبہ قربانی کے لئے پیش کیا، قابیل کاشتکار تھا، اس نے ناکارہ رڈی غلہ قربانی میں رکھا، وہ جانتا تھا کہ شریعت الٰہی کی وہ خلاف ورزی کررہا ہے۔

قربانی کیا ہے کہ جو چیز بھی اللہ کے حضور قربِ الٰہی اور رضائے الٰہی کے لئے پیش کی جائے' وہ ایمان واخلاص کے ساتھ اللہ کی عبدیت و بندگی میں ہو، غلط نفسانی خواہش کو حاصل کرنے کے لئے نہ ہو، قابیل نے قانونِ شریعت سے نڈر بن کر اللہ کی

عبدیت کرنے کے بجائے نفس کی غلط خواہش کی تکمیل اور اللہ کی نافرمانی میں بے دلی کے ساتھ قربانی پیش کی۔

ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کو کھا گئی اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہی، اس ناکامی پر قابیل نے اپنی توہین برداشت نہ کر کے ذلت محسوس کی اور غم وغصہ میں اس سے رہا نہ گیا اور کھلے طور پر بھائی سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا، مقصد یہ تھا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے وہ نکاح نہ کر سکے، راستہ صاف ہو جائے۔

ہابیل نے قابیل کی اس دھمکی اور غصہ کا جواب غصہ سے نہیں دیا، قتل کی دھمکی کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو میں بھی تجھے قتل کر دوں گا، یعنی دھمکی کے جواب میں دھمکی نہیں دی بلکہ ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، اور عقل وفہم کو استعمال کرنے کو کہا کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ حق پر رہتے ہوئے تقویٰ اختیار کیا جائے اور اخلاص کے ساتھ قربانی دی جائے، تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اللہ کے قانون کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ قربانی پیش کرتے تو ٹھیک تھا، قربانی کے قبول ہونے میں میرا کیا دخل ہے؟ قربانی قبول کرنا نہ کرنا اللہ کا اختیار ہے، قربانی قبول نہ ہونے پر میرا قتل کرنے سے کیا تم فائدے میں رہو گے؟ قابیل پر اس نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ وہ اپنے غلط ارادے پر ڈٹا رہا۔

اسی طرح کا معاملہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا

مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے پر برداشت نہ کر سکے، حضور ﷺ مشرکین مکہ کو نرمی ومحبت سے بار بار سمجھاتے رہے کہ میری نبوت کو مان لو، پورے عرب و عجم پر تم غالب آجاؤ گے، اس میں تمہاری عزت وحفاظت ہے، میری نبوت کا انکار کر کے تم کامیاب نہیں ہو سکتے، ذلت میں مبتلا ہو جاؤ گے، ہمیشہ ان سے عفو ودرگذر کا معاملہ کیا، مگر مشرکین نے غصہ، حسد اور بغض ونفرت رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہا، یعنی قابیل کا طرز اختیار کیا۔

ہابیل نے شیطان اور نفس کی غلط خواہش کا ساتھ نہ دیا

ہابیل نے پورے صبر کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے بڑی مؤثر اور دل نشین نصیحتیں کیں، ہابیل نے نہ صرف اپنے قول وفعل سے شریعت الٰہی کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی بلکہ اللہ کی عبدیت و بندگی کا بہترین مظاہرہ کیا، مگر قابیل پر نفس امّارہ کا بھوت سوار ہو چکا تھا، جب انسان نفس امارہ کو غلبہ دیتا ہے تو اس کی عقل کام نہیں کرتی، حسد میں مبتلا ہو کر وہ اپنی بیوقوفی اور نالائقیوں پر نظر نہیں رکھتا، حسد میں مبتلا ہونا گویا اللہ کے فیصلے کے خلاف ناراض ہونا ہے، انسان حسد میں مبتلا ہو کر دوسرے کی ناکامی و بربادی چاہتا ہے۔

ہابیل کی گفتگو میں حسد کا علاج بتلایا گیا

حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ اللہ کی مدد کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہے اور اللہ نے اُسے وہ نعمت عطا فرمایا ہے جس سے وہ خود محروم ہے، تو اس کو چاہئے کہ اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہ سمجھے یا آزمائش اور مقدر کا فیصلہ مانے، گناہوں سے توبہ کرے نہ کہ دوسرے کے ساتھ حسد و جلن میں مبتلا ہو کر اس کے نقصان کی سوچے، اور نہ اس کے زوال کی تمنا کرے، اس واقعہ میں حسد و جلن اور بغض رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

یہود اور نصاریٰ بھی آج تک قابیل کی پیروی کر رہے ہیں

قرآن یہود نصاریٰ اور منافقین کے اعمال کو ظاہر کر کے قابیل کی طرح طرز عمل اختیار کرنے کو دکھایا، آج تک بھی وہ قابیل کا طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں، قابیل کے غصہ اور اندھے پن کا دیوانہ پن یہ تھا کہ وہ یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ ہابیل کی قربانی قبول ہونے میں اس کا کیا دخل ہے، قربانی کا قبول ہونا اللہ کے اختیار میں ہے، مگر غصہ ہابیل پر نکال رہا ہے۔

قابیل اور ہابیل کے اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو یہ احساس دلایا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کے ساتھ دشمنی کر کے قابیل کی طرح رول ادا کر رہے ہیں، اگر محمد بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے اور اللہ کی طرف سے پیغمبری عطا کی گئی تو اس میں حضرت محمد ﷺ کا کیا دخل ہے، پیغمبری عطا کرنا اور کسی بھی قوم میں پیدا کرنا یہ اللہ کا

اختیار ہے، اس فیصلے کو نہ سمجھ کر اس کا بدلہ لینے کے لئے حضرت محمد ﷺ پر غصہ ہو کر دشمن بنے رہنا اور قتل کرنے کے منصوبے بنانا، حق کو پہچان کر نہ ماننا یہ دراصل قابیل کی نقل اور پیروی ہے، خود اپنی شریعت کی خلاف ورزی ہے، پیغمبری کی نعمت بنو اسماعیل میں عطا ہونا اور حضرت محمد ﷺ کی نشانیاں اپنی کتاب سے جاننے کے باوجود حسد و جلن اور بغض و عداوت رکھنا اور جان بوجھ کر اپنی اولاد سے بڑھ کر پہچاننے اور حق کو جاننے کے باوجود حق سمجھتے ہوئے ان کی مخالفت کرنا، اور نفس کی اتباع میں شیطان کی پیروی کرنا ہے، گویا اللہ کی شریعت جو خود ان کے پاس ہے اس کا انکار کرنا ہے، جس طرح قابیل نے حضرت آدمؑ کو دی گئی شریعت کے خلاف عمل کیا۔

حقیقت میں صدیق کون کہلاتے ہیں؟

اسلام نے صدیق اس آدمی کو کہا ہے جو سچا ہو، سچائی کو پسند کرتا ہو، سچائی پر قائم رہے، سچائی کا ساتھ دینے والا ہو اور سچوں کی صحبت میں رہے، سچائی کے قائم کرنے میں جد وجہد کرے، جھوٹ کو برداشت نہ کرے، جھوٹ کی مخالفت کرے، جھوٹ کا ساتھ نہ دے، اسی کو صدیق کہا جائے گا۔ یہود زبردستی اپنے کو حق پر سمجھ کر سچائی کو سچ جان کر بھی اُسے مٹانا چاہتے ہیں اور جھوٹ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور جھوٹ کا ساتھ دے رہے ہیں۔

قابیل نے غصہ ہو کر کہا ہابیل کی قربانی کیوں قبول ہوئی؟ میری کیوں قبول نہیں ہوئی؟ یہی حال یہود کا تھا کہ آخری پیغمبر بنو اسماعیل میں کیوں آئے؟ حضرت محمد ﷺ امی ہیں، ان کو پیغمبری کیوں دی گئی، بنی اسرائیل میں کیوں نہیں بھیجا گیا؟ جبکہ پیغمبروں کا سلسلہ بنی اسرائیل میں ہے، انہوں نے خود اپنی کتاب کے خلاف قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کا کھلے طور پر انکار کیا، ان دونوں بھائیوں کے واقعہ کو سنا کر یہود کو ان کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے کو کہا گیا۔

قابیل نے سب سے پہلے ناحق قتل کا طریقہ رائج کیا

آخر کار قابیل کے نفس امارہ نے اُسے گناہ کے لئے قتل کرنے میں دلیر بنا دیا اور

دنیا میں سب سے پہلا قتل ایک نیک عابد انسان کا ہوا اور قابیل نے دوسرے انسانوں کو ناحق قتل کرنے کی بنیاد ڈالی اور انسانوں میں سب سے پہلا قتل کا طریقہ ایجاد کیا، انسان جب حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کو نیکی سمجھ میں نہیں آتی، عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور شیطانیت غالب آجاتی ہے۔

جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی پر اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتے ہٹا لیتا ہے

قابیل اور ہابیل کو قتل کر کے اس کی لاش کو اپنی پیٹھ پر لے کر پھرتا رہا، اب تک نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوتی تھی، اور نہ اس بارے میں آدم کو کوئی مردے کے ساتھ سلوک کرنے کا طریقہ بتلایا گیا تھا، جب لاش سڑھنے لگی اور بدبو آنے لگی، تو اللہ نے ایک کوے کے ذریعہ مردے کو دفن کرنے کی رہنمائی فرمائی، تب قابیل نے کوے کو دیکھ کر لاش کو دفن کیا، اور لاش کو دفن کرنے کے بعد کہا کہ ہائے افسوس! میں کوے سے بھی گیا گذرا ہوں۔

اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب انسان جان بوجھ کر شریعت الٰہی کے احکام سے اپنے کان آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اللہ رحمت کے فرشتوں کو اس سے ہٹا لیتا ہے اور اس پر ایک شیطان کو قابو پانے کی آزادی دے دیتا ہے۔

قابیل اور ہابیل کے واقعہ سے اہم نکات

☆ اس واقعہ میں یہ بھی سبق دیا گیا کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسان کی جان و مال کا احترام ہو اور اللہ کے پاس پکڑ' جواب دہی اور حساب دینے کی فکر رہے اور انسان کی زندگی کی حفاظت کا جذبہ ہو۔

☆ اس واقعہ میں قابیل کی شریعت الٰہی کی کھلے طور پر مخالفت کرنا اور ہابیل کا شریعت الٰہی کی پابندی کرنے کو سمجھایا گیا کہ ناحق قتل وخون سے دور رہنا اللہ کے پاس جواب دینے، خوفِ خداوندی، غرور وتکبر اور حسد وجلن سے دوری سمجھایا گیا۔

☆ قابیل کی اللہ سے بے خوفی، شریعت الٰہی کے خلاف نفسانی خواہش کی غلامی،

قربانی کے قبول نہ ہونے پر ناراضگی، گویا اللہ کے فیصلہ کے خلاف غصہ ہونا۔

☆ دوسرے انسان کو نعمت ملنے اور خود کو نہ ملنے پر حسد وجلن اور حق پرست انسان کا قتل کے ذریعہ ناحق خون کرنا، انسانوں میں سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کرنا' جیسے پہلو بتائے گئے۔

☆ قابیل کا قتل کی دھمکی پر نفس پر قابو پا کر صبر کرنا اور حق بات سمجھانا، اللہ کا خوف وڈر دلانا اور بدلہ میں قتل کی دھمکی نہ دینا بتلایا گیا، یہ بھی بتایا گیا کہ ظالم کو پہلے معروف کا حکم کریں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی ہابیل کی طرح تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہوئے ظلم کو برداشت کرتے رہے، شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرنا گناہ بتلایا اور معروف کا حکم کرتے رہنے اور گناہ کے ساتھ اللہ کے دربار میں جانے سے منع فرمایا، ہابیل کی زبان سے وہی بات نکلی جو سورۂ حج میں بیان کی گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ قربانی اس کے آداب کے ساتھ کی جائے۔

☆ یہ ضابطہ ہم دونوں کے لئے ہے، تم غصہ کرنے اور غلط راستہ اختیار کرنے کے بجائے تقویٰ اختیار کرو، میرا قتل کرنے سے اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی، اگر تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہو تو میں اس کے بدلے تمہارے قتل میں پہل نہیں کروں گا، میں اللہ سے ڈرتا ہوں، ہم دونوں کا مالک اللہ ہے جس نے ہم دونوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کی جان و مال کے احترام کا حکم دیا، اگر میرے قتل میں بچاؤ کے وقت تم کو کچھ نقصان ہوگیا تو اس کا میں ذمہ دار نہیں رہوں گا، میں قتل میں پہل نہیں کروں گا۔

☆ ویسے اپنی جان و مال کا دفاع کرنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں واجب ہے، اُس وقت حضرت آدمؑ کی شریعت میں نہیں آیا تھا، ہابیل نے کہا اگر تم بھی قتل ہو گئے تو تمہاری اور میری دونوں کی ذمہ داری تم ہی پر ہوگی، اور دونوں کا گناہ تم پر ہی ہوگا، میں قتل میں پہل کر کے گنہگار ہونا نہیں چاہتا، اور اللہ کے حضور قتل کا گناہ لے

جانا نہیں چاہتا۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر مظلوم نے کوئی زیادتی نہیں کی تو جو کچھ اُسے اپنی عزت کی حفاظت کے لئے کرنا پڑے تو اس کا وبال گناہ میں پہل کرنے والے پر ہے۔

یہودیوں کو سمجھایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیمی کی وجہ سے یہودیوں سے چچازاد بھائی کا رشتہ رکھتے ہیں، جس طرح قابیل نے ہابیل کے خلاف ظلم کی روِش اختیار کی، تم بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ وہی سلوک کر رہے ہو۔

اس واقعہ میں یہ بھی سمجھایا گیا کہ جو لوگ کسی ایک انسان کا قتل کرتے ہیں تو وہ گویا اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ ان کے اندر انسانوں کی زندگی کا کوئی احترام نہیں ہے، ایک انسان کا قتل کرنا ساری انسانیت کو قتل کرنا ہے، اسلام نے یہ تعلیم دی کہ جو کوئی کسی انسان کا ناحق قتل کرے تو قتل کرنے والے پر دوزخ لازم ہے۔

گناہ کو رواج دینے والے بہت بڑے گھاٹے اور خسارے میں ہوں گے

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک رُوئے زمین پر جو بھی ناحق قتل ہوگا اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔(اس لئے کہ اس نے قتل کا رواج ڈالا۔)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نیک عمل کی بنیاد ڈالے اس پر عمل بھی کرے تو اُسے اجر اپنا بھی ملتا ہے، اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کو بھی بغیر اس کے ان لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے، اسی طرح جو کوئی کسی برے عمل کی بنیاد ڈالے اس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا گناہ ملتا رہتا ہے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان شریعت الٰہی سے ہٹ کر ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرے، یا اس کی مخالفت میں اخلاق رذیلہ کا رواج نہ دے، ورنہ اس کی نقل میں اس کا ساتھ دینے والے، اس کی اولاد معاشرے کے دوست احباب اور اطاعت وفرمانبرداری

کرنے والے لوگ بھی ان گناہوں کی نقل کر کے معاشرے میں بدکاری، ظلم، اللہ کی نافرمانی کی نقل کرتے ہوئے دنیا میں گناہوں کے رواج کو عام نہ کر دیں۔

مگر اکثر مسلمانوں کی حالت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض نفسانی خواہشات کے تحت جان بوجھ کر پانچ وقت کی نماز کی جگہ صرف جمعہ کی نماز کے رواج کو معاشرے میں عام کر دیا، بے پردگی کا رواج عام کر دیا، فضول خرچی کے رواج کو عام کر دیا، محض دنیا کی دولت' جائیداد اور زمین و مکان کے جھگڑوں میں ناحق قتل کو عام کر دیا، زنا کی خاطر عورت کے قتل کے تک مرتکب ہو رہے ہیں، دولت سے خدا سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور حرام راستوں' جوڑے کی رقموں اور سامانِ جہیز اور رشوت و سود سے حاصل کرنے کا رواج عام کر دئے ہیں، اور خود گناہ کر کے قیامت تک گناہ میں لوگوں کو مبتلا کرنے کا رواج عام کر کے ان کے گناہوں کے ذمہ دار بھی بن رہے ہیں۔

انسان شریعت سے ہدایت حاصل نہ کرتا تو جانوروں سے ہدایت لیتا ہے

لاش کو چھپانے کے لئے اللہ نے کوئی الہام سے ہدایت نہیں دی، نہ عقل کو وہ استعمال کر سکا، جب انسان اللہ کی بغاوت پر آتا ہے تو حیوان کو اس کا رہنما بنا دیتا ہے، لاش دفن کر کے قابیل نے اپنے جرم کو چھپانے کی فکر کی، مگر اپنے غلط عمل کا اعتراف اور ندامت نہ کی اور کہا کہ ہائے افسوس! میں جانور سے بھی گیا گذرا ہوں، یہ بھی شیطان کی روش ہے۔

قابیل اپنی اس حرکت سے ذلیل ہوا اور قیامت تک انسان اس کو اللہ کا نافرمان پڑھیں گے، کہ وہ عقل کو نفس کے تابع کر کے نفس کا غلام بنا، گویا انسان اللہ کی نافرمانی کر کے عزت حاصل نہیں کرتا ذلیل ہو جاتا ہے، چنانچہ ہر گنہگار کو دنیا میں ذلت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

یوروپ کے لوگ اللہ کی شریعت اور عقل سے رہنمائی حاصل نہ کر کے جانوروں سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور جانوروں کی طرح آزاد شہوت رانی اور سمندروں کے ساحلوں پر ننگے رہنا اور جانوروں کی طرح کم سے کم کپڑے پہن کر بازاروں میں ننگے

پھرتے ہیں، ایک مرد چار عورتیں' چار مرد ایک عورت کے ساتھ جانوروں کی طرح بغیر شادی کے رہتے ہیں اور ساتھ پھرتے رہتے ہیں، انہیں حرام وحلال کی کوئی تمیز نہیں ہے، عورتیں عورتوں سے اور مرد مرد سے شادی کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذار رہے ہیں۔

خلافِ شریعت چلنے پر اللہ دنیا میں سخت سزا دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے

اس واقعہ سے بنی اسرائیل کو یہ بھی سبق دیا گیا کہ جو سزائیں تم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں نافرمانی اور انحراف سے ملی تھیں، اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے باغیانہ روش سے اس سے سخت سزا پاؤ گے اور دنیا میں جتنی برائی اور گناہ کو پھیلاؤ گے قابیل کی طرح قیامت تک وہ تمہارے حصے میں بھی آئیں گے، چنانچہ یہود ونصاریٰ نے اللہ کی آخری بھیجی ہوئی شریعت کے سارے وہ کام جو اللہ نے حرام کئے تھے' انہیں حلال کر دیا اور پوری دنیا میں گناہوں کو پھیلا دیا اور اپنے نامۂ اعمال میں لے رہے ہیں۔

اس میں ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ بعض مسلمان بیوی کو رکھتے ہوئے جوان ہونے پر سالی سے بھی ناجائز تعلقات قائم کر کے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھا، بعض عورتیں کسی مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے نااتفاقی پر طلاق نہ ہونے کے باوجود دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی ہیں، بعض مسلم مرد' غیر مسلم عورتیں جو مشرک ہوں' خوبصورت ہوں' دولت مند ہوں' پڑھی لکھی ہوں' ان کے ایمان قبول نہ کرنے کے باوجود ان سے نکاح کر لیتے ہیں، بعض لوگ بیوی کو رکھ کر ناجائز تعلقات غیر عورتوں سے قائم کر کے زنا کرتے ہیں اور اللہ کی شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں، بعض لڑکیاں اپنی شادی میں دیر ہو جائے، عمر زیادہ ہونے لگے یا شادی میں مسائل ہونے لگے تو غیر مسلموں سے نکاح کر لیتی ہیں، انڈومان جزائر میں اور افریقی ممالک میں بہت سارے مسلم مرد غیر مسلم عورتوں کے ساتھ رجسٹرڈ میاریج کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذار رہے ہیں، یہ سب اللہ کی شریعت کے خلاف ہے۔

اس قصہ سے حاصل ہونے والی خاص نصیحتیں

(۱) انسان کو اللہ کا خوف اور جواب دہی کا احساس ہو تو سخت سے سخت مصیبت اور آزمائش میں صراط مستقیم سے نہ ہٹے۔

(۲) نفسانی خواہشات پر شیطان کی ترغیبات اور فاسد خیالات سے پاک رہنا، اگر بہک جائیں گے تو انسان اللہ کی بغاوت میں بڑے بڑے جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) اللہ کی اطاعت و بندگی میں جان کی پرواہ نہ کرنا، جس طرح ہابیل نے اپنے ظالم بھائی کی دھمکی کے باوجود عدل پر قائم رہتے ہوئے حق پر جما رہا، اور قابیل کی جہالت اس کو حق سے ہٹا نہ سکی، یہاں تک کہ اسی حق پر قائم رہتے ہوئے جان قربان کردی، اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے مثال و نمونہ بن گیا۔

(۴) ان دونوں بھائیوں کی زندگی سے انسانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ نیک انسانوں کی پیروی و نقل کرو، اور یہود کی روش اختیار کر کے قابیل کی نقل مت کرو، حسد، جلن، بغض، عداوت، غصہ اور جہالت سے دور رہو، نفس کے بندے مت بنو، جان بوجھ کر شریعت کے خلاف ورزی مت کرو۔

(۵) دنیا میں قیامت تک ہابیل اور قابیل کی طرح نیک اور ظالم سنگ دل خونی انسان بھی رہیں گے، بنی اسرائیل نے بغیر کسی عذر کے حق کی دعوت دینے والے نبیوں کا ناحق قتل کر کے قابیل کی نقل کی اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔

انسان میں جب حسد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو اپنی ناانصافیاں نظر نہیں آتیں، اسی حسد کی وجہ سے وہ انتقام پر آجاتا ہے، اس کی کھلی شکل قابیل کی ہے اور یہود کے آئینے میں بھی دکھائی جا رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

قومِ لوط کی بدکاری سے ملنے والا سبق

وَلَمَّا جَآءَ تْ رُسُلُنَا لُوطاً سِیٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعاً وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ o وَجَآءَ هُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَا قَوْمِ هَـٰؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلاَ تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ o قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ o قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ o قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَّصِلُوٓا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلاَ يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلاَّ امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ o فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ o مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ o (ھود:۷۷تا۸۳)

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے گھبرائے، ان کا دل پریشان ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ''آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔'' اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور اس سے پہلے وہ برے کام کیا ہی کرتے تھے، لوط نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، اس لئے اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوانہ کرو، کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟ وہ کہنے لگے: تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟ لوط نے کہا: کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے میں کوئی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔ فرشتوں نے (لوط سے) کہا: اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے

ہیں، یہ کافر لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے، لہٰذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، ہاں مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آ رہی ہے، یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے، کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آ گئی؟ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم اس زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا، اور ان پر پکی مٹی کے تہہ بر تہہ پتھر برسائے۔ جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے، اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

قرآن مجید میں قوم لوط کے واقعہ کو سورۃ الذاریات، العنکبوت، الحجر، ہود اور التحریم میں بیان کر کے سمجھا کر دنیا کے تمام انسانوں اور خاص طور پر امت مسلمہ کے افراد کی تربیت کے لئے پیش کیا گیا، اور یہ سمجھایا گیا کہ قوم لوط شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کے خلاف چل کر اپنے پیغمبر کی نافرمانی کئے اور عذاب میں دھر لئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کو اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے مرد عورت' نر اور مادہ کا نظام رکھا، جس کی وجہ سے انسان کے علاوہ دوسری جاندار مخلوقات اپنی جنسی ضرورت مادہ سے پوری کرتے ہیں، جانوروں میں کوئی بھی جانور اپنی جنسی خواہش نر ہونے کے ناطے نر سے پوری نہیں کرتا اور نہ لگاؤ رکھتا ہے، بلکہ وہ دوسرے نر کو مادہ کے قریب آنے تک نہیں دیتا، اور انسان بھی مرد ہونے کے ناطے عورت اور عورت ہونے کے ناطے مرد سے کششِ سیکس رکھتے ہیں، اور اگر مرد مرد کے ساتھ سیکس کرنا چاہے تو یہ فطرت کے خلاف ہوگا، شیطان ان کو اللہ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے۔

مگر انسان جو تمام مخلوقات میں اشرف ہے، وہ جب شیطان کے شکنجے میں پھنستا ہے تو اللہ کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے خلاف جنسی خواہش شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس کے سکھائے ہوئے طریقے کے خلاف مرد مرد کے ساتھ یا عورت عورت کے

ساتھ پوری کرتے ہیں، ایسے انسانوں کی یہ حالت جانوروں سے بھی گئی گذری ہے، عقل رکھ کر بھی وہ جانوروں سے بھی گئی گذری حرکت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جب خوبصورت لڑکوں کی شکل میں قوم لوط کی طرف بھیجا تو وہ حضرت ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت دے کر حضرت لوطؑ کے گھر آئے، قوم لوط کے دو سرداروں نے ان کو دیکھ کر حضرت لوطؑ کے گھر آ کر ان نوجوان خوبصورت فرشتوں کو جو انسانی شکل میں تھے انہیں حوالے کرنے کو کہا، ان کی تائید میں قوم کے بہت سارے لوگ حضرت لوطؑ کے گھر کو گھیر لیا، حضرت لوطؑ خود پہلے فرشتوں کو انسان سمجھے، انہیں پہچان نہ سکے، اور قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ عورتوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے بجائے نوجوان لڑکوں کو اپنی خواہش کی ہوس بنا کر برائی کرتے ہو، حالانکہ آج تک دنیا کی کسی قوم میں یہ نافرمانی اور بدکاری کا طریقہ نہیں ہے، تم لوگ اس بدکاری کو نہ برا سمجھتے اور نہ گناہ سمجھتے ہو، کھلم کھلا علی الاعلان یہ گناہ کرتے ہو، تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، انہوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار نہیں، حضرت لوطؑ کی باتوں کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا، اس کے برعکس وہ اپنی بداعمالیوں بدکاریوں پر شرمندہ ہونے، اصلاح قبول کرنے کے بجائے کہنے لگے، یہ لوگ بڑے پارسا اور نیک بنتے ہیں اور ہم کو گندہ سمجھتے ہیں، جب ہم گندے ہیں تو ہم گندوں میں پاک لوگوں کا کیا کام؟ ان کو یہاں سے نکال دو۔

فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں ہم انسان نہیں فرشتے ہیں، یہ لوگ جس چیز کا انکار کرتے ہیں وہ لے کر آئے ہیں، صبح صبح ان کی بستی پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، اپنے خاص لوگوں کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جایئے، اور کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سورج نکلنے سے پہلے پوری آبادی زیر وزبر کر دی جائے گی، حضرت لوطؑ کی بیوی آدھے راستے سے واپس آ گئی، وہ حضرت لوطؑ کے خلاف قوم کے لوگوں کی رازدار تھی، صبح صبح پکی مٹی آگ کے پتھروں کی ان پر بارش ہوئی، اور پھر زلزلے سے زمین الٹا دی گئی۔

ان کا علاقہ سدوم شہر تھا، اردن کے قریب اس کا ساحل بحر میت' کسی زمانے میں

خشک تھا، سمندر سے چار سو میٹر نیچے چلا گیا، اس میں نمک بہت زیادہ ہے، آج بھی کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا، اسرائیل نے اس عذاب والے مقام پر سیاحت کے لئے تفریح گاہیں بنادیں، اور بحرِ مردار پر ساحل بنا کر لوگوں کے نہانے اور تفریح کا انتظام بھی کیا گیا، ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جلدی بیماریوں کے لئے وہ پانی مفید ہے، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو وہ مقامات جہاں اللہ کے عذاب آئے جلدی سے گذر جانے کی تاکید کی، مگر اسرائیل ان مقامات پر تفریح کر کے اللہ کے عذاب کے سایہ میں رہنا چاہتے ہیں، اللہ نے حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویوں کی مثال سورۃ التحریم میں بیان کر کے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ ان کے شوہر باوجود پیغمبر ہونے کے وہ اپنی بیویوں کے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے، ان کو جہنم سے نہیں بچا سکیں گے، اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ اور حضرت مریمؑ کی تقویٰ پرہیز گاری کے ساتھ اللہ کی عبدیت میں زندگی گذارے، فرعون کافر تھا پھر بھی حضرت آسیہؓ صبر واستقامت اختیار کر کے دنیا سے شہید ہو کر گئیں۔

اس واقعہ سے ملنے والی نصیحتیں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک سب سے بڑا جرم ہے، اور ہر پیغمبر نے اپنی دعوت کا آغاز توحید کی دعوت سے کیا، اور قوموں کو بت پرستی چھوڑنے کی ترغیب دی، مگر حضرت لوطؑ کی قوم باوجود شرک میں گرفتار تھی، اس کے باوجود اللہ نے قوم لوط کی ساری بداعمالیوں کے مقابلے حضرت لوطؑ سے توحید کی دعوت سے پہلے بے حیائی کو موضوع بحث بنایا، اس لئے کہ یہ اس کے شیدائی بن چکے تھے اور اپنی فطرت کو مسخ کر کے نفس امارہ کے دیوانے بنے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے ان کو پاکیزگی اور تقویٰ وطہارت سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، اور فطرت کے خلاف چلنے کے عادی بن گئے تھے۔

یہ عادت جب رگ رگ میں بس جاتی ہے تو ایسے انسانوں پر وعظ ونصیحت کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اور وہ مردار کھانے والے گِدوں کی طرح ہر نوجوان اور خوبصورت ٹین ایج کے مرد بچوں کی تلاش میں رہتے ہیں، اور اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے اچھے بُرے،

عزت وذلت کی پرواہ نہیں کرتے، اور اصلاح کرنے والوں کو برداشت نہیں کرتے، ان کی باتوں کو بکواس سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس مرد کی طرف ہرگز نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا جو عورت سے اس فعل کا ارتکاب کرے (یعنی عورت کے پچھلے حصہ میں)۔ (ابن ماجہ، مسند احمد)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالتِ حیض میں عورت سے صحبت کی یا عورت کے ساتھ قومِ لوط والا عمل کا ارتکاب کیا یا کاہن کے پاس گیا، اس کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کی، اس نے اس تعلیم سے کفر کیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی۔

اس لئے انسانوں کے لئے حرام ہے کہ وہ کوئی عمل اپنی بیوی کے ساتھ قوم لوط کا سا عمل ہرگز نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے مجرم کو تلوار سے قتل کرنے اور لاش کو جلا ڈالنے کا فتویٰ دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے مجرم کو بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے عمارت کو اس پر گرانے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسے مجرم کو بستی کی سب سے اونچی عمارت پر سے سر کے بل پھینک دینے کو کہا، اور اوپر سے پتھر برسانے کو کہا۔

روایات میں ہے کہ قومِ لوط کا یہ عمل زنا سے بھی بدتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی جسموں میں عورت و مرد کی ساخت اور اعضاء اپنی حکمتِ تخلیق سے عین مناسب طریقے سے بتایا ہے جس کی وجہ سے انسان ہر عضو سے اسی مقصد کے تحت فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ عورت اور مرد میں نفسانی خواہش کے پورا کرنے خاص جذبات دیئے اور لذت رکھی، جو فطرت کی خواہش کو پورا کرتی ہے اور نسل انسانی کو بڑھانے میں مدد دیتی ہے، اگر انسان قدرتی اصول وضوابط کے تحت اپنے جسمانی اعضاء ان کے مقصد کے خلاف استعمال نہ کرے تو نسل سے محروم رہ سکتا ہے، اور بیماریوں میں مبتلا ہوسکتا ہے، اور میاں بیوی دونوں کے جسم پر برے اثرات پڑتے ہیں، اور خاص طور پر قوم لوط کا عمل کرنے سے ایڈس جیسی مہلک بیماری میں دونوں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

اکثر بازاری جسم فروش عورتیں حمل سے بچنے کے لئے پچھلے راستے میں صحبت کرواتی ہیں، یا پھر مرد مرد کے ساتھ قومِ لوط کا عمل کسی بچے یا نوجوان کے پچھلے حصہ سے کرتا ہے، یا خود کسی مرد کو اپنے پچھلے حصہ کی دعوت دیتا ہے اور خواہش پوری کرتا ہے، اکثر مخنّث (ہجڑے) لوگ اسی طرح اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں، مرد مرد کے ساتھ یہ عمل کر کے اس کے جسم کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔

اسی طرح برطانیہ کی حکومت نے اللہ کے حکم کے خلاف مرد کو مرد کے ساتھ اور عورت کو عورت کے ساتھ شادی کرنے اور میاں بیوی بنے رہنے کا ایک قانون بنایا ہے، عورتیں مغربی مما لک میں مرد سے اپنی خواہش پوری کرنے کے بجائے عورتیں آپس ہی میں بوس وکنار مردوں کی طرح کرتی ہیں اور اولاد سے بچنے کے لئے مصنوعی قسم کے آلات سے جسمانی خواہش پوری کرتی ہیں، اسی طرح بہت ساری مغربی عورتیں کتوں کو پال کر اپنے جسموں کو ان سے چٹا کر جذبات کی تکمیل کرتی ہیں۔

بہت سے مرد، عورتوں سے حالت حیض میں صحبت کرتے ہیں، جبکہ ان ایام میں عورت کا جسم صحت مند نہیں ہوتا، اور اگر ان ایام میں حمل ٹھہر جائے تو بچے میں بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، ماں باپ کے غلط عمل کی وجہ سے اولاد زندگی بھر مصیبت میں مبتلا رہتی ہے، اللہ نے حالتِ حیض میں صحبت کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

مردوں میں جو دوست احباب ہوتے ہیں بے شرم و بے حیاء بن کر شراب پی کر ایک ہی وقت میں ایک عورت سے تین چار مرد اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی عورت اور مردوں کو بیماریاں لگ جاتی ہیں، یہ تمام حرکتیں قدرت کے قانون کے خلاف ہیں۔

اکثر لڑکیاں شادی سے پہلے زنا کرتی ہیں اور حمل ٹھہر جانے پر ڈاکٹر کے پاس جا کر ابورشن Abortion کے ذریعہ حمل کو گرا دیتی ہیں اور شرعی اعتبار سے بچے کو قتل کر دیتی ہیں، بعض لوگ لڑکی جوان ہونے سے پہلے اس سے صحبت کرتے ہیں۔

سورۂ مائدہ میں ارشادِ الٰہی ہے: اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بغیر کسی وجہ کے یا فساد برپا کرے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا ان سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جب بھی کوئی ظلم و قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی، اور یہ ناپاک طریقہ جاری کیا۔ (امام احمد، مسند احمد)

ان آیات اور احادیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرنی چاہئے، تاکہ وہ کل کو بدکاروں اور ظالموں کے لئے رواج نہ پا جائے، ورنہ ہر گناہ کا ایجاد کرنے والا اس گناہ کا حصہ دار بنتا رہے گا اور سارے انسان جو اس کے گناہ کے عادی بن جائیں گے ان کے گناہ بھی اپنے نامۂ اعمال میں لیتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا انصاف یہ ہے کہ جب کوئی انسان جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے گناہ کی ایجاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس کمینی حرکت پر دنیا میں بھی اُسے ذلیل کر دیتا ہے جس طرح قابیل ذلیل ہوا۔

اسی طرح نیکی کے ایجاد کرنے والوں کے ساتھ اللہ کا یہ انصاف ہے کہ وہ نیکی کو اگر پھیلائے اور انسانوں میں نیکی کو رواج دے تو جس طرح ہابیل متقی و پرہیزگار بندہ تھا، اس کے جسم کی توہین ہونے سے محفوظ رکھا اور ان کی بزرگی قائم رکھنے کے لئے تدفین کی نیت کا طریقہ سکھایا۔

دنیا میں جو انسان قیامت تک قوم لوط کے عمل میں مبتلا ہوتے رہیں گے ان کا گناہ بھی قوم لوط کے حصہ میں جائے گا، اور قرآن مجید میں ان کا تذکرہ نیک انسانوں میں نہیں کیا گیا، اسی طرح چار مردوں سے ایک ہی وقت میں نکاح غیر فطری ہے، بعض عورتیں سوال کرتی ہیں کہ جس طرح مرد کو چار شادیاں ایک وقت میں کرنے کی اجازت ہے تو عورت کو

یہ اجازت کیوں نہیں؟ یہ بھی انسانی فطرت کے خلاف ہے، اگر عورت ایک وقت چار مردوں سے نکاح کرے تو سب سے پہلے وہ کس کی بیوی کہلائے گی اور اس کی اولاد کو کس باپ کے نام سے پکارا جائے گا، اور وہ کس مرد کو اپنا شوہر کہے گی؟ اگر ایک ہی وقت میں اسے چاروں مرد اپنی ضرورت پوری کرنے بلائیں تو وہ کس کے پاس جائے گی؟ کس کی خدمت کرے گی؟ اس کی ہونے والی اولاد کس مرد کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد میں کیا حصہ پا سکتی ہے؟ اسکول اور پیدائش کی سند میں اس کی اولاد کا نام کس مرد کے نام سے بحیثیت باپ کے لکھا جاسکتا ہے؟ عورت کے بوڑھا اور ضعیف ہونے کے بعد کونسا مرد اس کے نان و نفقہ کا اور بچوں کی پرورش کا ذمہ دار ہوگا؟ کیا وہ ایک گھر میں چاروں مردوں کے ساتھ رہ سکتی ہے؟

اگر عورت چار مردوں سے ایک ہی وقت میں شادی کرے تو یہ جانوروں کی زندگی ہو جائے گی، جبکہ پرندوں میں تو ایک نر کے ساتھ ایک ہی مادہ اور ایک مادہ کے ساتھ ایک ہی نر ہوتا ہے، جانوروں میں شیر، ببر، ہاتھی، اونٹ، بھینس، گائے اور بکری ایک نر چار مادی اور چار نر ایک مادی کے ساتھ رہتے ہیں، ان پر میاں بیوی بن کر رہنے اور نر پر مادہ کو اور بچے پالنے کی ذمہ داری نہیں ہوتی، اور نہ مادہ کسی نر کے ساتھ جڑی رہتی ہے، نہ خدمت کرتی ہے، چرتے چرتے اپنی جنسی خواہش وہ پوری کرتے ہیں مگر ایک دوسرے کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔

ان کے مقابلے انسانوں کی زندگی الگ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر باقاعدہ حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری رکھی ہے، جانوروں میں نیکی اور بدی، عزت و ذلت، حرام و حلال، زنا یا عصمت کی حفاظت وغیرہ کا قانون نہیں ہے، ان کے لئے دنیا امتحان گاہ نہیں ہے، اللہ نے ان کی فطرت جیسی بنائی وہ اس کے پابند ہیں، انسان اُن کی نقل نہیں کرسکتا۔

عورت کا اس طرح سوچنا فطرت کے خلاف ہے، اگر کوئی عورت یہ رواج دنیا میں ڈالے تو وہ آوارہ کہلائے گی اور جتنی عورتیں اس کی نقل میں مختلف مردوں سے نکاح کرے گی اس کا گناہ پہلی ایجاد کرنے والی کو بھی ملے گا۔

☆☆☆☆☆

اہل مدین کی بداعمالیوں سے ملنے والا سبق

ناپ تول میں کمی سے کیا مراد ہے؟

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ وَلاَ تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّيَ أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ٥ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَ هُمْ وَلاَ تَعْثَوْا فِي الأَرْضِ مُفْسِدِينَ ٥ بَقِيَّةُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَمَا أَنَاْ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ٥ (هود: ۸۴تا۸۶)

ترجمہ: اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے (ان سے) کہا: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوشحال ہو، اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔ اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بچا رہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ٥ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ٥ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ٥

(الشعراء: ۱۸۱تا۱۸۳)

ترجمہ: پورا پورا ناپ دیا کرو، اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو دوسروں کو گھاٹے میں ڈالتے ہیں۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے، ساری قوم کی بداعمالیوں میں اس قدر مست و سرشار تھی کہ ایک لحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ گناہ ہے، بلکہ وہ گناہوں میں مبتلا ہوکر فخر کرتے تھے، ان کی بداعمالیوں میں بت پرستی، مشرکانہ رسوم و رواج، خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم دینا، بے ایمانی، ڈاکہ زنی وغیرہ، بالخصوص بے ایمانی اور کم تولنے کے ذریعہ وہ بہت دولت مند ہوگئے تھے، توحید کے خلاف شرکیہ عقائد و اعمال تو تقریباً تمام انبیاء علیہم السلام کی قوموں میں مشترک رہا، مگر قرآن مجید نے امت مسلمہ کی تربیت کے لئے خصوصی طور پر ان کے دنیوی معاملات میں حقوق العباد کی اس بداعمالی کا بھی ذکر کیا کہ وہ کسی چیز کے لینے میں پورا پورا لیتے اور دینے کے معاملہ میں کم دیتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو شرک سے دور رہنے اور اللہ کے حکم کے مطابق خرید و فروخت میں ناپ تول میں کمی زیادتی اور کھوٹ کرنے کی برائی سے منع کیا، حق کو قبول کرنے اور باطل طریقوں سے دور رہنے کی تعلیم دی۔

اس بدبخت قوم پر حضرت شعیبؑ کی دعوت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا، سوائے چند کمزور لوگوں کے ساری قوم نافرمانی کرتی رہی، اور حضرت شعیبؑ پر ایمان لانے والوں کو روکتے رہے، ان کو ڈراتے، دھمکاتے اور مشکلات پیدا کرتے رہے، قوم نے کہا کہ اے شعیب! ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والوں کو بستی سے نکال دیں گے، یا پھر تم کو مجبور کریں گے کہ پھر سے ہمارے دین میں واپس آجاؤ، جب حضرت شعیبؑ نے انہیں قومِ نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح کا حشر سنایا اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو قوم کے سرداروں نے یہ سن کر جواب دیا کہ اے شعیب! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو، تم ہم سب سے کمزور اور غریب ہو، ہم کو صرف تمہارے خاندان کا خوف ہے، ورنہ تم کو سنگسار کردیتے، حضرت شعیبؑ نے کہا: افسوس ہے تم پر کہ تم کو خدا کے مقابلے میرے خاندان سے زیادہ خوف ہے، حالانکہ میرا رب تمہارے اعمال پر پوری گرفت رکھتا ہے، یہ اشارہ ہے مشرکین مکہ کی

طرف، یہی حال قریش کا تھا کہ وہ بنو ہاشم کے ڈر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے سے ڈرتے تھے اور خدا کا خوف نہیں رکھتے تھے۔

قومِ شعیب کے یہ لوگ دراصل مصر اور عراق کی ترقی یافتہ قوموں کی سرحد پر آباد تھے، ان کے ذہنوں میں شیطان نے یہ بات بٹھادی کہ اگر حضرت شعیبؑ کی بات مان لی تو ہم قافلوں کو لوٹ نہیں سکتے، لین دین میں جھوٹ' بے ایمانی اور دھوکہ کے بغیر دولت ہمیں نہیں مل سکتی، ہماری معیشت خراب ہوجائے گی، ہم مفلس ہوجائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے قومِ شعیب کی دوسری برائیوں کے مقابلے خاص طور پر ایمان والوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے ناپ تول میں کمی کرنے کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ایمان والے اس خرابی میں مبتلا نہ ہوں۔

غیر مسلم چونکہ ایمان کی حقیقت سے واقف نہیں رہتے تو وہ سچائی اور ایمان داری کا خیال نہیں رکھتے اور اکثر غیر مسلم ہر زمانے میں اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر جھوٹ، بے ایمانی، دھوکہ بازی اور رشوت سے مال حاصل کرکے خوشحال رہنا چاہتے ہیں۔امت مسلمہ میں بھی جو لوگ تربیت نہیں پاتے، ایمان کے نور سے منور نہیں ہوتے وہ نفسانی خواہشات کے بہکاوے میں یا مصیبت اور پریشانیوں میں حلال طریقے سے مال حاصل کرنے کے بجائے ان گناہ کے اعمال میں ملوث ہوجاتے ہیں۔

مثلاً کسی کے پاس نوکری کریں تو جتنا وقت کام میں لگانا ہے اس میں وقت ضائع کرتے ہیں، یا تو نماز ادا کرنے یا لنچ کھانے کے لئے جتنا وقت دیا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ وقت لیتے ہیں یا روزے رکھ کر لنچ کے وقفہ میں مسجدوں میں آرام کرتے ہیں اور آرام کرکے نوکری کا وقت ضائع کرکے اطمینان سے نوکری ادا کرتے ہیں،اور احساس دلاتے ہیں وہ روزہ سے ہیں، یہ بھی ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے، اگر یہی عمل خود ان کا ملازم ان کے ساتھ کرے تو برداشت نہیں کرتے۔

بعض لوگ نوکری کے دوران جتنا وقت کام کے لئے مقرر ہے سرکاری کام روک کر دفتر سے اپنے خانگی کام پر مثلاً نکاح کی محفل، بچوں کے اسکول کی فیس یا دفتر کے اوقات

میں فٹبال یا کرکٹ دیکھتے بیٹھے رہتے ہیں اور کام پورا نہ کر کے اجرت تنخواہ پوری لیتے ہیں، یہ عمل بھی ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض مزدور کام پر آنے کے بعد وقت ضائع کرتے ہیں اور مالک کے نہ دیکھنے پر کام سے چوری کرتے ہیں یا پھر چائے، سگریٹ پینے کے لئے ہوٹل چلے جاتے ہیں، پھر اتنے وقت میں کام پورا نہ کر کے کام کو باقی رکھتے ہیں، یا جان بوجھ کر سست رفتاری سے کام کر کے اوور ٹائم کے لئے کام باقی رکھتے ہیں اور دئے ہوئے وقت میں کام پورا نہیں کرتے، یہ بھی عمل ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض لوگ نوکری کو وقت پر نہیں آتے اور دیر سے آکر حاضری رجسٹر میں وقت غلط ڈالتے ہیں یا پنچ مشین میں پنچ کرنے والے اسٹاف سے دوستی کر کے غلط پنچ کرتے ہیں یا پنچ کا وقت غلط ڈالتے ہیں، یا غائب رہ کر دوستوں سے پنچ کرواتے ہیں، یا جلدی چلے جاتے ہیں، پھر اجرت پوری پوری لیتے ہیں، یہ عمل بھی ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض لوگ رخصت کی درخواست دے کر رخصت لیتے ہیں، پھر بعد میں ریکارڈ میں سے درخواست پھاڑ دیتے ہیں اور حاضری رجسٹر میں اسٹاف سے دوستی کر کے اس رخصت کے دن کی دستخط کر دیتے ہیں، اور تنخواہ پوری لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ ہفتے میں ایک دو دن اپنے گاؤں جا کر اہل وعیال کے ساتھ رہتے ہیں یا ایک دو دن شادی بیاہ میں شریک ہو کر آتے ہیں، پھر اسٹاف سے دوستی کر کے یا رشوت دے کر یا کھلا پلا کر حاضری پوری ڈلواتے ہیں، یا اپنے خانگی کام پر جا کر سرکاری دورہ بتلاتے ہیں، اور غیر حاضر رہ کر تنخواہ پوری لیتے ہیں، یہ عمل بھی کھلے طور پر ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

اکثر لوگ کمپنی، دفتر یا دُکان کا سامان گھر لے کر چلے جاتے ہیں، چپراسی کو جس مقصد کے لئے دیا جاتا ہے اس سے اپنے خانگی کام، بچوں کو اسکول سے لانے، گھر کا سامان خریدنے یا گھر کی صاف صفائی کا کام لیتے ہیں، سرکاری گاڑیوں کو ذاتی کام میں لے کر اہل وعیال کے استعمال کے لئے سرکاری پٹرول خرچ کر کے استعمال کرتے ہیں، سرکاری

گاڑیوں کے لاگ بک میں جس مقام پر جاتے ہیں اس مقام سے دوسرا مقام لکھ کر راستے کی لمبائی اور مسافت زیادہ بتلاتے ہیں اور پٹرول کا خرچ زیادہ بتلا کر گاڑی کو اپنے ذاتی کام میں استعمال کرتے ہیں، یہ عمل بھی ناپ تول میں کمی اور بے ایمانی کو ظاہر کرتا ہے۔

دُکان یا کمپنی میں کام کرنے والے کو دُکان یا کمپنی کی طرف سے دوسرے مقام پر سامان پہنچانے یا سامان خریدنے بھیجا جائے، یا کمپنی کے لئے اسٹیشنری خریدنے کے لئے بھیجا جائے تو دس روپے کی جگہ سو روپے کہہ کر جھوٹ بتلاتے ہیں اور زیادہ پیسے لیتے ہیں، یا دکاندار سے اس شرط پر سامان خریدتے ہیں کہ وہ ہزار روپے کا سامان خریدنے پر بل بارہ سو روپے کا دے گا، اور خود دو سو روپے بچا لیتے ہیں، یہ بے ایمانی اور ملازم ہونے کے ناطے ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض ملازمین کو کام پر بھیجا جائے تو جو کام آدھے گھنٹے میں ہوتا ہے اُسے اپنی خانگی کاموں کے ساتھ کرتے ہوئے تین گھنٹے لگاتے ہیں، یا پھر گاڑی خراب ہونے جیسے بہانے بتلاتے ہیں، اور دن بھر میں چار کام کرنے کے بجائے دو ہی کام کرتے ہیں، پھر تنخواہ بھی پوری پوری لیتے ہیں، یہ عمل بھی ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتا ہے، تنخواہ تو پوری لے رہے ہیں' کام ایمان داری سے نہیں کر رہے ہیں۔

سرکاری دواخانوں میں کام کرنے والے مریضوں کو مکمل دوا نہ دے کر دوائیں بچا کر فروخت کر لیتے ہیں، یا نقلی دوائیں سپلائی کر کے اصلی دواؤں کی قیمت لیتے ہیں، اور مریضوں کو موت کے حوالے کرتے ہیں، نرس اور کمپونڈر دواؤں میں ڈنڈی مار کر چوری کرتے ہیں، جبکہ ان کو دواخانے کے قانون کی پابندی کرنا ہے' نہیں کرتے، مگر تنخواہ پوری لیتے ہیں، یہ سارے اعمال ناپ تول میں کمی کو ظاہر کرتے ہیں۔

حکومت کے بہت سارے ملازم و اقتدار والے' حکومت کے احکام کے خلاف حکومت کو نقصان پہنچانے اور عوام کو فائدہ پہنچانے کے لئے رشوت لیکر قانون سے بچنے کے طریقے سکھاتے ہیں، یا غلط طریقوں سے عوام کی مدد کرتے ہیں، ان کو مختلف بہانے بنانے

کے طریقے سکھاتے ہیں، جبکہ ملازم ہوکر تنخواہ حکومت سے لیتے ہیں، حکومت کے فنڈس کھا جاتے ہیں اور نقصان حکومت ہی کا کرتے ہیں، یہ بھی بے ایمانی اور ناپ تول میں کمی ہے۔

اکثر دکان دار زیادہ منافع جس مال پر ملتا ہے یا جعلی ونقلی مال کو اصل کہتے ہیں، اس کی جھوٹی تعریف کرکے فروخت کرتے ہیں، سمپل ونمونہ ایک بھیجتے ہیں اور ناکارہ وسستا مال روانہ کردیتے ہیں، یا ناکارہ وسستے مال کی خوب تعریف کرکے، جھوٹ بول کر، قسمیں کھاکر منافع زیادہ وصول کرلیتے ہیں، یہ سب حرکتیں ناپ تول میں کمی کا اظہار ہے۔

بعض لوگ اچھے مال کے ساتھ خراب مال ملا دیتے ہیں۔ مال کا عیب نہ بتلاکر فروخت کرنا بھی دھوکہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

اکثر تاجر تول کے جو پیمانے اور ترازو ہوتے ہیں اس سے سو دو سو گرام کا فرق رکھ کر کم تولتے ہیں اور ڈنڈی مارتے ہیں، چاول اور گیہوں میں سو کیلو میں دو تین سیر کچرا، پتھر، ریت ملا دیتے ہیں، یہ بھی کم تولنے میں شمار ہوگا، اس لئے کہ قیمت پورے سو کیلو کی لیتے ہیں۔

نوکروں کو ملازم رکھ کر تنخواہ وقت پر نہ دینا یا کم دینا یا مختلف بہانوں سے ڈبو دینا، یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے۔

بعض لوگ کسی سے قرضہ حسنہ لیتے ہیں، جس میں سود وغیرہ دینے کا معاہدہ نہیں ہوتا، بغیر سودی قرض ہوتا ہے، بغیر سودی قرض کو اطمینان وبے فکری کے ساتھ دو چار سال بعد واپس کرتے ہیں، جبکہ روپیہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، واپس کرتے وقت قرض واپس کرنے والا اپنی خوشی سے کچھ رقم اضافہ نہیں دیتا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر قرض واپس کرتے وقت کچھ مال اپنی طرف سے زیادہ دیا ہے، اگر قرض لینے والے بے شعور ہو تو اس کے اس طرح کے عمل سے قرض دینے والا نقصان میں رہتا ہے۔ اگر قرض بغیر سود کے دیا جائے تو لینے والا مدت مقرر کرکے لے اور اگر دیر ہوجائے تو اپنی خوشی سے کچھ پیسے بڑھ کر دے۔

دودھ، گھی اور شہد فروخت کرنے والے دودھ میں پانی ملاکر اور گھی میں خوشبو کا پاؤڈر ملاکر یا شہد میں گُڑ ملاکر فروخت کرتے ہیں، یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہنے کی حکمت

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷)

ہم نے آپؐ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت وحکمت سے **رحمۃ للعالمین** بنا کر دنیا میں بھیجا، اور اکثر سیرت کے جلسوں میں واعظین اس آیت کو پڑھتے ضرور ہیں مگر اس پر غور وفکر نہیں کرتے اور نہ کرواتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کیوں کہا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ اکثر لوگ سوچتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے انسانوں اور جنات کی طرف رسول اور نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپؐ زندگی بھر ان پر دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اللہ کی عبدیت وبندگی کی تعلیم دیتے رہے، پھر آپ سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر کیسے بھیجے گئے ہیں؟ لوگ ہمیشہ اس آیت پر سوچتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کئی عالم بنائے ہیں

اللہ تعالیٰ نے خالقِ کائنات ہونے کے ناتے اپنی مخلوقات کی پرورش ونگہبانی کے لئے کئی ہزار عالم بنائے ہیں، عالمین' عالَم کی جمع ہے، اس کائنات میں ساتوں آسمانوں کے الگ الگ عالم ہیں، ساتوں زمین کے الگ الگ عالم بنائے، پھر زمین پر ریگستانوں کا الگ عالم بنایا، جنگلات کا ایک عالم بنایا، پہاڑوں کا ایک عالم بنایا، سمندروں کا ایک عالم بنایا، سمندری جانوروں کا ایک عالم بنایا، خشکی کے جانوروں کا ایک عالم بنایا، جنگلات کے جانوروں کا ایک عالم بنایا، نباتات، جمادات، حیوانات، معدنیات، انسان، جن وشیاطین اور فرشتوں کے الگ الگ عالم بنائے، حیوانات میں چرندوں، پرندوں، درندوں،

حشرات الارض کے الگ الگ عالم بنائے، پھر جانوروں میں ہر قسم کے جانوروں کے الگ الگ عالم بنائے، درختوں میں ان کے اقسام کے لحاظ سے الگ الگ عالم بنائے، چاند‘سورج‘ لاکھوں‘ کروڑوں ستاروں اور سیاروں کے الگ الگ عالم بنائے، میدانِ حشر‘ جنت‘ دوزخ اور پُل صراط کے الگ الگ عالم بنائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی جاندار مخلوقات پیدا کی ہیں ان میں سے ہر ایک کے مختلف انداز کے جسم بنائے، اس لئے اللہ نے جسموں کا ایک عالم بنایا، پھر جسموں میں مختلف اعضاء دئے، جیسے آنکھوں کا ایک عالم، کانوں کا ایک عالم، زبان کا ایک عالم، دلوں کا ایک عالم، دماغوں کا ایک عالم، گردوں کا ایک عالم، ہاتھوں کا ایک عالم، پیروں کا ایک عالم، بالوں‘ پروں‘ چمڑوں کے الگ الگ عالم، سروں کا ایک عالم، خون کا ایک عالم، ہڈیوں کا ایک عالم وغیرہ۔ یہ تمام عالموں میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت دن رات ہر لمحہ ہر گھڑی جاری ہے، ہر عالم جس مقصد کے لئے اللہ نے بنایا اسی کے حکم پر وہ اللہ ہی کی عبدیت و بندگی کر رہی ہے، وہ سب اللہ کی معرفت رکھتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے انسانوں اور جنات کے باقی دوسرے عالموں پر دعوت و تبلیغ نہیں کی، پھر آپ تمام عالموں کے لئے رحمۃ للعالمین کس طرح ہیں؟ ہمیں قرآن مجید کی سورۃ الانبیاء کی اس آیت پر غور وفکر کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کس حکمت کے تحت آپ کو رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ کہا اور بنایا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو بات بھی فرمائی ہے وہ سچ‘ صحیح اور حقیقت ہوتی ہے، اس میں کوئی شک وشبہ اور انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بات بغیر دلیل وحکمت کے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اکیلا تمام عالموں کا رب ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی پہلی ہی آیت میں یہ تعلیم دی ہے کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ یعنی ساری تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا پرورش کرنے والا نہیں،

یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ تمام عالموں کو اسی نے پیدا کیا اور وہی اکیلا خالقِ کائنات ہے اور وہی اکیلا رب العالمین ہے، ہر چیز کی نگہبانی وہی اکیلا کر رہا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے قرآن مجید میں خاص طور پر آپ ؐ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا، جبکہ کسی دوسرے پیغمبر کو رحمۃ للعالمین نہیں کہا گیا، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے فرمایا گیا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن. ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اب غور کیجئے کہ آخر آپ ؐ دوسرے عالموں کے لئے رحمت ہیں، اس سے کیا مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سید الانبیاء کا مقام عطا فرمایا

بیشک ہم دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ صفی اللہ ہیں، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں، حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ ہیں، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ (اللہ کی نشانی، اللہ کا کلمہ) ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں، آپ کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن کہا گیا اور قیامت تک دنیا میں آنے والے انسانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن ہیں، جبکہ آپ ؐ انسان اور جنات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، کسی دوسرے عالموں کے لئے نہیں بھیجے گئے اور نہ آپ ﷺ کسی دوسرے عالم میں دعوت و تبلیغ کئے، پھر جس طرح حضرت جبرئیلؑ کو فرشتوں کا سردار بنایا گیا، اللہ نے آپ ﷺ کو نبیوں اور رسولوں کا سردار اور امام بنایا اور تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر قرآن مجید کی شکل میں آپ ﷺ کو عطا کیا اور آپ کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن بنایا۔

محمد رسول اللہ ﷺ صرف انسان اور جنات ہی کے لئے رحمت نہیں

بیشک جب ہم احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات صرف انسان اور جنات تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ آپ ؐ نے چیونٹیوں کو جلانے سے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ جانداروں کو آگ کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے،

آپ ﷺ نے کیڑے مکوڑوں اور بلوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ نے جانوروں کو بھوکا رکھ کر چارہ اور غذاء کم دے کران سے کام لینے کو ظلم بتلایا، ان کو مارنے، داغ دینے اور زیادہ بوجھ ڈالنے اوران کو ذبح کرتے وقت تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا، بکریوں کو پیغمبروں کے ذریعہ چرواکران پر رحم اور نرمی کا سلوک کرنے اوران کے ساتھ صبر کرنے کی مشق کروائی۔

جانور بھی نبی کریم ﷺ کو اللہ کا پیغمبر جانتے تھے، جانور آپؐ کے پاس آکر اپنے مالک کی شکایت روتے ہوئے کرتے، آپ ﷺ کی حفاظت میں بچاؤ کے لئے دوڑ کر آتے، چڑیا اور ہرن اپنے بچوں کو چھڑانے کے لئے آپ ﷺ کے سامنے شکایت کرتے، جانور آپؐ سے بات کرتے تھے، مسجد نبویؐ کے کھجور کا تنا آپؐ کے لئے منبر بننے کے بعد علاحدہ ہوجانے پر بچہ کی طرح سسکیاں لے لے کر رونے لگا، آپ ﷺ کے نبی ظاہر ہونے سے پہلے درخت' چٹانیں اور پتھر بھی آپ کو سلام کرتے تھے، ابر آپؐ کے لئے سخت دھوپ میں سایہ دار بن جاتا، آپ ﷺ کے دائی حلیمہؓ کی گود' گھر اور گاؤں پہنچنے کے بعدان کی سینے' گھر اور بکریوں کے تھنوں میں برکت کے ساتھ دودھ آنا آپؐ کی برکت سے شروع ہوگیا، بکریاں جس جگہ چرنے جاتیں ان مقامات پر چارہ خوب پیدا ہونے لگا، گویا آپ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے رحمت ہی رحمت برسنے لگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل دار' درختوں اور پودوں کو کاٹنے سے منع فرمایا، اور مسافروں کے بیٹھنے اور پھل دار درختوں کے نیچے اوران کے سایہ میں بول و براز کرنے سے منع فرمایا، پرندوں کے لئے پھل دار درخت لگا کر نیکیاں حاصل کرنے کی ترغیب دی، پانی ضائع کرنے سے منع فرمایا۔

نبی کریم ﷺ نے انسانوں میں کمزور لوگوں' غریبوں' مسکینوں' یتیموں' بیواؤں' غلاموں' باندیوں اور نوکروں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا، اوران کے ساتھ رحم کرنے' مساوات کا معاملہ کرنے اوران کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا اوران کی تربیت

بھی سکھائی، ان پر جتنا ظلم کریں گے اتنا ہی بدلہ ملنے کا احساس دلایا، انسانوں کی جہالت اور اخلاق رذیلہ کے خلاف علم' اخلاق حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تعلیم دے کر ان کی زندگی کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کیا، اور دنیا ہی میں جنت نما زندگی اختیار کرنے کی مشق کروائی، جس کی وجہ سے جاہل انسانوں کی زندگی میں رحمت ہی رحمت کا ظہور ہونے لگا، یہ تمام باتیں بیشک آپ ﷺ کی زندگی میں اور آپؐ کے اطراف کی چیزوں میں رحمت ہی رحمت کی شکل میں نظر آتی ہیں، مگر اب غور کرنا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے بعد آپؐ قیامت تک سارے عالموں کے لئے رحمت والے کس طرح ہیں؟ جبکہ آپ ﷺ دنیا میں صرف ۶۳ رسال رہنے کے بعد رخصت ہوگئے۔

اس کائنات کی اصل روح اور جان ایمان ہے

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد دراصل ایمان کی تعلیم دے کر انسانوں کی زندگی میں اللہ کی رحمت ہی رحمت پیدا کرنا تھا، وہ رحمت صرف پیغمبروں ہی کے ذریعہ انسانوں کو مل سکتی ہے، جس کی وجہ سے اللہ نے ہر زمانے میں انسانوں کو اپنی پہچان کرواکر توحید کی تعلیم دی اور شرک وکفر سے دور رہ کر ایمان قبول کر کے اپنی رحمت کے سایہ میں زندگی گذارنے کا طریقہ سکھایا، اور ہر لمحہ عبدیت و بندگی کے ذریعہ اپنی رحمت کو لوٹنے کا موقع عطا فرمایا، اس طرح دنیا میں جو انسان بھی پیغمبر کی دعوت پر ایمان قبول کیا وہ روحانی طور پر زندہ انسان رہا اور جو ایمان قبول نہیں کیا' وہ باوجود جسمانی اعتبار سے زندہ رہتے ہوئے' مردہ لاش کی طرح چلتا پھرتا انسان بنا رہا، اس میں اور میت میں فرق باقی نہ رہا، اس لئے کہ مردہ انسان نہ اللہ کا ذکر کرسکتا ہے' نہ تسبیح کرسکتا ہے' نہ جسم کے اعضاء سے اللہ کی عبدیت و بندگی کرسکتا ہے، اس کی روح نکل جانے کے بعد وہ مردہ رہتا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقوں اور اپنی اپنی قوموں میں ایک خاص وقت اور مدت تک کے لئے آئے اور انسانوں کو ایمان کے ذریعہ رحمت الٰہی لوٹنے کی تعلیم دیتے

رہے، کسی کی نبوت ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے اور ہر قوم کے انسانوں کے لئے نہیں تھی، ان کی زندگی اور نبوت کی مدت دنیا میں ختم ہوتے ہی ان کی نبوت دنیا میں باقی نہیں رہی اور نہ دنیا کی مخلوقات کو ختم کیا گیا اور نہ قیامت واقع ہوئی، ان کے بعد دوسرا نبی آ کر پھر انسانوں کو اللہ پر ایمان لانے اور اسی کی عبدیت و بندگی کی دعوت دیتے رہے، اور دنیا کا نظام چلتا رہا، کسی نبی کے تعلق سے یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ قیامت تک کے لئے اور سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، یہ لقب اور یہ آیت خاص طور پر صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے فرمائی گئی ہے۔

کسی نبی کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے فلاں رسول پر درود و سلام بھیجتے ہیں، مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو چونکہ قیامت تک کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ دنیا میں موجود نہ ہونے اور آپؐ کی نبوت قیامت تک جاری رہنے پر اللہ اور اس کے فرشتے مسلسل آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اور آپ کے امتی چودہ سو سالوں سے آپ پر نمازوں میں مسلسل اور نمازوں کے علاوہ ہر وقت بھی درود و سلام بھیجتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح درود و سلام بھیجنے کی درخواست کرتے رہتے ہیں، اتنا ہی نہیں جب بھی آپ ﷺ کا امتی آپؐ کا نام لیتا ہے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر **PBUH** کہتا ہے، یہ فضیلت دنیا کی دوسری قومیں جو آسمانی کتاب کو مانتی اور اپنے پیغمبر کا نام لیتی ہیں تو ان کا نام عام انسان کی طرح لیتی ہیں کوئی درود و سلام نہیں بھیجتی، غور کیجئے کہ اللہ نے امت مسلمہ کے فرد کو کیا ادب سکھایا ہے، گویا اللہ نے چودہ سو سالوں سے قیامت تک اپنے ایمان والے بندوں سے آپ پر درود و سلام بھیجنے کا بھی طریقہ رکھا ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ کے ساتھ رحمت ہے کہ آپ ﷺ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپؐ کی نبوت والی رحمت کو قیامت تک جاری رکھنے، آپ کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ بند کر دیا، اور اپنی حکمت سے آپؐ کے امتیوں کو آپؐ کی نبوت کی رحمت کو قیامت تک دنیا کے دوسرے تمام انسانوں تک پہنچانے کی ذمہ داری دی، یہ طریقہ اور یہ ضابطہ کسی

دوسرے نبی کے لئے نہیں رکھا گیا، اور نہ ان کے امتی ان کی دعوت دوسرے انسانوں تک پہنچا رہے ہیں، دوسرا پیغمبر آنے تک ان کے تھوڑے سے امتی ان کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے، باقی دوسرے لوگ ان کی تعلیمات کو تحریف کر کے گمراہ ہو جاتے تھے اور آج ان پیغمبروں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کے امتی ان کی تعلیمات کے خلاف گمراہی اور باطل عقیدوں کی تعلیم دے رہے ہیں اور دنیا کو رحمت والی زندگی سکھانے کے بجائے ان کا نام لے کر ظلمت اور گمراہی کی تعلیم اور طریقہ سکھا رہے ہیں اور اللہ کی رحمت سے دور کر رہے ہیں، اور پھر اپنے آپ کو ان کا داعی سمجھتے ہیں، یہ حالت امت مسلمہ میں نہیں ہے، دوسری قوموں میں ان کے ماننے والوں میں ان کے پیغمبروں کی تعلیم کی روشنی ہی نظر نہیں آتی، ان کے پاس ان کے نبیوں کی زندگی کے حالات وارشادات اور اعمال والی زندگی ہی محفوظ نہیں، وہ باطل پرست ہو کر اپنے آپ کو حق پرست تصور کرتے ہیں، بہت سارے نبیوں کے نام اور تعلیمات اب دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ دنیا میں نہ رہنے کے باوجود ہر انسان کے لئے زندہ نبی ہیں

مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۶۳ رسال کی زندگی دے کر دین اسلام کو مکمل کر دیا، آپ ﷺ کے دنیا سے جانے کے بعد ساڑھے چودہ سو سالوں سے آپؐ کی نبوت والی رحمت و تعلیمات کو آپؐ کے امتیوں کے ذریعہ خالص حالت میں باقی رکھا گیا، جب کوئی انسان آپ ﷺ کی زندگی کے حالات پڑھتا ہے یا سنتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے ہی زمانے کی کسی زندہ شخصیت کے حالات سن اور پڑھ رہا ہے، اور آپ ﷺ کے ارشادات سے فیض حاصل کرتا ہے۔

آپ ﷺ کے امتی ہر زمانے میں دوسرے انسانوں کو قول و فعل سے آپؐ کی طرف دعوت دے رہے ہیں، اور اللہ کی عبدیت و بندگی سکھا رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا ہے وہ انسانوں کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، اس میں اللہ نے امتحان و آزمائش کے لئے عقائد کا عالم، عبادات کا عالم، معاشرت کا

عالم، معاملات کا عالم، اخلاقیات کا عالم الگ الگ رکھا، ان میں صحیح اور غلط دونوں راستوں کی ہدایت رکھا، اب جو انسان بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاکر اسلام کی پابندی کرے گا وہ عقائد کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کی رحمت لوٹ سکے گا، ایمان قبول کرنے کے بعد اللہ کی عبدیت و بندگی کے لئے......

☆ وہ دنیا کی سب سے اعلیٰ قسم کی عبادات کی رحمت لوٹ سکے گا۔

☆ وہ دنیا کے سب سے بہترین معاملات کی رحمت لوٹ سکے گا۔

☆ وہ دنیا کے سب سے عمدہ اخلاقیات کی رحمت لوٹ سکے گا۔

☆ وہ دنیا کی سب سے اعلیٰ معاشرت کی رحمت لوٹ سکے گا۔

چنانچہ ہر زمانہ میں انسان اور جنات میں سے جو لوگ بھی صحیح ایمان والے بنے وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع اور غلامی میں دنیا کے سب سے اچھے انسان بن کر ایمان کی رحمت ولذت لوٹنے والے بنے، اور قیامت تک جو لوگ بھی دنیا میں بہترین باپ، بہترین بیٹا، بہترین بھائی، بہترین شوہر، بہترین داماد، بہترین رشتہ دار، بہترین دوست، بہترین پڑوسی، بہترین تاجر، بہترین استاد، بہترین سپہ سالار، بہترین سردارِ قوم، بہترین لیڈر، بہترین رہنما، بہترین جج، بہترین بادشاہ، بہترین عالم وغیرہ بننا چاہیں حضور ﷺ مثال اور نمونہ ہیں، جن کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ہے، ان تمام عالموں میں آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہی رسول اللہ ﷺ کی نبوت والی رحمت ظاہر ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

جو وحی الٰہی قرآن مجید کے ذریعہ اللہ نے انسانوں اور جنات کے لئے نازل کیا ہے اور آپ ﷺ کے امتی ان تمام عالموں اور شعبوں میں مثال ونمونہ بن کر رسول اللہ ﷺ کے نمائندے بنے اور دوسرے انسانوں کی تربیت کی، رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں نہ رہنے کے باوجود کٹر سے کٹر مشرک وکافر ہر زمانے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کی رحمت سے توبہ کئے اور اللہ کی عبدیت و بندگی میں مثالی انسان بنے اور بن رہے ہیں، ان کی زندگیوں کی ساری جہالت، رحمت میں بدل گئی، گندگیاں اور ناپاکی دور ہوگئیں۔

رسول اللہ ﷺ ہر زمانے کے لئے اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہیں

محمد رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں آنے کے بعد مشرکینِ مکہ آپ کو زحمت اور مصیبت سمجھتے تھے، وہ کہتے کہ آپؐ کے آنے کے بعد ہم میں اور ہماری قوم میں پھوٹ پڑ گئی، بیٹا باپ کے اور بھائی بھائی کے خلاف ہو گیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپؐ زحمت و مصیبت نہیں' بلکہ سارے عالموں کے لئے آپؐ رحمت ہی رحمت ہیں، جو آپؐ پر ایمان لائے وہ گھاٹے اور خسارے سے بچ گئے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے' زحمت و مصیبت بنا کر نہیں بھیجا۔

☆ آپ ﷺ کی قوم کے لوگ کہتے تھے کہ آپؐ رحیم ابن رحیم، کریم ابن کریم ہیں، انسانوں پر اللہ کی صفات مغفرت، عفو و درگذر اور حلم و بردباری کی نقل میں رحمت ہی رحمت بانٹتے تھے۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں، تاکہ اللہ پر ایمان لانے والے اور اطاعت کرنے والوں کا سر بلند کر دوں اور جو اللہ کی نافرمانی و بغاوت کرنے والے ہیں انہیں پست کر دوں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات اور آپؐ کی تشریف آوری اور نبوت دراصل پوری انسانیت کے لئے اور قیامت تک رحمت ہی رحمت ہے، آپؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اور آپؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے، آپ کی اتباع و اطاعت سے منہ موڑ کر اگر کوئی اللہ کی اطاعت و بندگی کرے تو وہ اطاعت و بندگی مردود ہے، اللہ کے پاس قبول نہیں ہوگی، آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع سے اللہ کی عبدیت و بندگی کرنے پر آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، یہ انسان کے لئے اللہ کی بہت بڑی رحمت اور اللہ کی

رضاء کا ذریعہ ہے۔

جب تک رسول اللہ ﷺ کافروں کے درمیان رہے اللہ نے دوسری قوموں کی طرح نہ ماننے پر انہیں عذاب سے ہلاک نہیں کیا، اور نہ آپ نے ان کے لئے تباہی و بربادی کی بددعاء کی، بلکہ تکلیف پہنچائے جانے، شہر سے نکال دئے جانے اور زخمی کرنے اور دندانِ مبارک شہید کردینے کے باوجود فرمایا میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو دنیا والوں کے لئے ہدیہ ہے، کٹّر سے کٹّر دشمنوں سے بدلہ نہ لے کر عفوودرگذر کیا، معافی دی، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہی کا اظہار تھا، آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں سے محبت اور رحمت اختیار کرنا سکھایا، بڑے ہو کر چھوٹوں کو بھی سلام میں پہل کرکے سلامتی کی دعاء دینا سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی زندگی کو قرآن کی عملی مثال بنایا

سب سے بڑی رحمت تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ قرآن مجید آخری وحی کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی جس سے انشاء اللہ قیامت تک نور ہی نور اور رحمت ہی رحمت پھیلتی رہے گی، یہ بھی اللہ کی آپ ﷺ پر رحمت ہے کہ آپؐ دنیا میں نہ رہنے کے باوجود اللہ نے آپؐ کی زندگی قرآن مجید کی چلتی پھرتی عملی مثال بنا کر قرآن مجید کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا، اور قیامت تک امت مسلمہ آپ ﷺ کے ارشادات اور احادیث مبارکہ کی شکل میں درس لیتے رہیں گے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ کے اعمال کی سنت کی حیثیت سے اتباع ونقل کرتے رہیں گے تاکہ ہر زمانہ میں لوگ سنتوں پر چل کر کلامِ الٰہی پر عمل کرسکیں گے، اور آپؐ کی اطاعت واتباع سے اللہ کی عبدیت وبندگی کرتے رہیں گے۔

یہ چیز کسی دوسرے نبی کی ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کی امت میں باقی نہیں رہی، اور موجودہ زمانہ میں تو بالکل ختم ہو چکی ہیں، ان کے ماننے والے ان کے خلاف زندگی گذار رہے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے امتی آپؐ کی زندگی کے بعد ساڑھے چودہ سو سالوں سے برابر دنیا کی دوسری قوموں کو آپؐ کی نبوت کی رحمت دعوتِ دین کے ذریعہ

پہنچا رہے ہیں، اور اللہ کی عبدیت و بندگی سکھا رہے ہیں، انشاء اللہ یہ سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا اور دنیا صحیح ایمان اور آپ ﷺ کا کلمہ پڑھنے سے خالی نہیں رہے گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نور ہر کچے پکے گھر میں داخل ہو جائے گا۔

کائنات کی تمام مخلوقات مسلم ہیں

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہے کہ اس کائنات کی روح اور جان خالص ایمان اور اللہ ہی کی عبادت و بندگی ہے، اللہ تعالیٰ انسان اور جنات کے لئے یہ دنیا کو امتحان گاہ بنا کر اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، اور ساری مخلوقات کو ان کی خدمت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ لگا دیا، گویا ساری مخلوقات کو انسانوں کے لئے اور انسانوں کو اپنی عبادت و بندگی کے لئے پیدا کیا، اور ساری مخلوقات بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ ہی کی ہدایت پر انسانوں کی خدمت کرتے ہوئے اللہ کی عبدیت و بندگی میں اللہ کی تسبیح ذکر وحمد میں لگی ہوئی ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہتا ہوا پانی اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتا ہے، جب وہ سڑ جاتا ہے یا بدبودار ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے۔

☆ ہر درخت اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے، جب وہ سوکھ جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا۔

☆ کپڑا جب تک پاک صاف ہوتا ہے تو اللہ کی تسبیح و پاکی بیان کرتا ہے، جب میلا اور ناپاک ہو جاتا ہے تو ذکر بند کر دیتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے مرغ کو بُرا بولنے سے منع فرمایا، اس لئے کہ وہ بانگ دے کر اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے، چڑیا، مینا، کبوتر اور دوسرے پرندے سب اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح و پاکی اور بڑائی اپنی اپنی بولیوں میں بیان کرتے ہیں، وہ اپنی اپنی نماز جانتے ہیں، غرض ساری مخلوقات انسانوں کی خدمت کرتے ہوئے اللہ کے ذکر و عبادت میں لگی ہوئی ہیں، ان کی عبادت اللہ کے احکام کی پابندی بھی کرنا ہے، اس طرح ساری کائنات کا دین اسلام ہے، یعنی اللہ کی اطاعت و بندگی کرنا، اللہ کے احکام کو پورا کرنا' اسلام ہے، جو اسلام پر زندگی گذارے گا' وہ مسلم کہلائے گا، اس لئے سوائے انسان و جن کے کائنات کی ساری مخلوقات مسلم ہیں۔

قیامت تک تمام انسانوں کو رسول ﷺ کی نبوت کی رحمت میں آنے کا موقع

تمام انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا تا کہ انسان بھی دوسری تمام مخلوقات کی طرح مسلم بن کر دنیا میں زندگی گذارے اور دن رات اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو عبادت گذار بنائیں اور مسلم بندے بن کر دنیا میں رہیں، مگر ہر زمانے میں انسانوں کی کثیر تعداد پیغمبروں کا انکار کیا، لیکن دنیا ختم نہیں ہوئی، ان کے بعد دوسرے پیغمبر آتے گئے، پھر آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر کی حیثیت سے آئے اور ساڑھے چودہ سو سالوں سے انسانوں کے لئے ہر زمانے میں آپ ؐ کی نبوت کی رحمت مسلسل جاری ہے، اور قیامت تک تمام انسانوں کے لئے جاری رہے گی، جبکہ دوسرے پیغمبروں کی نبوت کی رحمت ان کے ساتھ ہی ختم ہوگئی، آج ان کے ماننے والے خالص توحید اور ان کی تعلیمات بھی نہیں سمجھا سکتے، اللہ نے ہر مذہب' ہر علاقے اور ہر قوم کے انسانوں کو قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی رحمت میں آنے کا موقع کھلا رکھا ہے، یہ بھی قیامت تک ہر زمانے کے انسانوں اور جنات کے لئے رحمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں نبوت کی مدت مکمل ہونے تک دنیا باقی رہے گی

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کے مقابلے محمد رسول اللہ ﷺ پر ختمِ نبوت کر کے نبوت کا سلسلہ بند کر دیا ہے، اور آپ ؐ کی نبوت کی مدت دنیا میں قیامت تک رکھا ہے، جیسے ہی دنیا میں آپ ؐ کی نبوت کی مدت مکمل ہوگی دنیا کی عمر بھی مکمل ہو جائے گی، اور جب تک اس دنیا میں ایک انسان بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے والا رہے گا، یہ دنیا زندہ اور سلامت رہے گی، جب ایک بھی انسان اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا کلمہ پڑھنے والا یعنی اللہ اللہ کہنے والا اس امت میں ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہے گا' اور دنیا میں شرک و کفر عام ہو جائے گا، ایمان والے دنیا سے مکمل ختم ہو جائیں گے، حبشی لوگ کعبۃ اللہ ڈھا دیں گے، اللہ تعالیٰ اس دنیا کو انسانوں کے ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے بغیر روح والی

کہہ کرمردہ قرار دے گا، اس لئے کہ اس کائنات کی اصل روح اور جان ایمان ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی رحمت سے ملتا ہے، جب کلمہ شہادت ہی کے ماننے والے نہیں رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دنیا میں مدت بھی مکمل ہو جائے گی' اللہ تعالیٰ قیامت قائم کردے گا اور باقی بچے ہوئے انسان و جنات کو بھی موت دے دے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں نبوت کی مدت پوری ہوتے ہی تمام مخلوقات کو ختم کردیا جائے گا

قیامت کے ساتھ ہی دنیا میں انسانوں کے امتحان کا وقت ختم ہو جائے گا، جب انسان اس دنیا میں ختم کردئے جائیں گے تو ساری کائنات کی مخلوقات جو ان کی خدمت اور امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی قیامت کے ساتھ ہی ختم کردے گا، وہ سب اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں، ان کی عبدیت و بندگی بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دنیا میں مدت مکمل ہونے تک ہی رہے گی۔ پھر وہ بھی ختم کردئے جائیں گے، کسی مخلوق کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی، نہ کوئی جسمانی اعضاء کی کسی جاندار کو ضرورت رہے گی، جب تمام مخلوقات ہی ختم ہو جائیں گی تو ان کی عبادت و اطاعت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی، اس لئے کہ وہ انسانوں اور جنات کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہیں، انسانوں کے ختم ہوتے ہی مخلوقات کی ضرورت بھی ختم ہو جائے گی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانوں کے ایمان کی شہادت اور کلمہ کا اقرار کرنے سے دوسری تمام مخلوقات کی اطاعت و بندگی ذکر' تسبیح وعبادت کا موقع اللہ نے ان کو دے رکھا ہے، گویا ان کی بقاء و سلامتی دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی مدت تکمیل ہونے تک ہی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی رحمت ہی کی وجہ سے آخری نبی بنا کر ان کو قیامت تک بقاء و سلامتی عطا فرمایا ہے، اسی وجہ سے اللہ نے اپنی حکمت سے رسول اللہ ﷺ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنایا ہے، وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ فرمایا۔ واللہ اعلم

قیامت قائم ہوتے ہی ساری مخلوقات کی اطاعت وبندگی ختم کردی جائے گی

سمندروں میں آگ بھڑکا دی جائے گی، ندی نالے اور دریا خشک کردیئے جائیں گے، پہاڑوں کی برف پگھل جائے گی، پہاڑوں کو روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا، چاند، سورج اور ستارے بے نور کردیئے جائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، درخت، پودے، جانور سب ختم ہوجائیں گے، فرشتے بھی ایک خاص وقت تک بے ہوش ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس وقت کہے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْم. آج کس کی بادشاہت ہے؟ پھر خود ہی کہے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. اللہ واحد قہار کی۔

پھر اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے میدان حشر قائم کرے گا اور دوسری طرح کی دنیا قائم کرکے ایمان اور غیر ایمان والوں کا حساب لے گا اور جزاء وسزا دے گا۔

کائنات کی روح، جان اور اس کی سلامتی ایمان پر ہے

اس تشریح سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں میں ایمان کتنا قیمتی اور وزنی ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان ہی کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی مدت دنیا میں تکمیل ہونے تک سارے عالموں کو اپنی اطاعت وبندگی کے ذریعہ ذکر، تسبیح اور حمد بیان کرنے کا موقع دے کر ان کو اپنی رحمت میں رکھتا ہے۔

اور جب لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے کلمہ شہادت کا انکار کریں گے اور زمین پر سے ایمان والے بندے ختم ہوتے ہی پوری کائنات فنا کررہا ہے، اس لئے کائنات کی روح اصل ایمان ہے، اس لئے جو لوگ ایمان سے خالی ہیں ہو مردہ اور بے جان لاشوں کی مانند ہیں، کلمہ سے خالی رہ کر اللہ کی رحمت سے محروم ہوتے ہیں، اور جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرکے قرآن کے نور کو حاصل کرتے ہیں وہ زندہ انسان ہیں، ان کے ساتھ االلہ کی رحمت ہی رحمت ہے۔

اس لئے کلمہ پڑھ کر کلمہ کی حقیقت کو جان کر کلمہ کے حقوق ادا کیجئے۔ کلمہ والی زندگی کے اعمال اختیار کیجئے، تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی رحمت دنیا وآخرت

میں لوٹ سکیں گے۔

اس تشریح سے بے شعور، غافل، کلمہ شہادت نہ سمجھ کر، باپ دادا کی اندھی تقلید میں اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر جو لوگ کلمہ شہادت صرف رسمی انداز پر زبان سے ادا کرلیں گے تو وہ حقیقی وشعوری ایمان سے خالی رہ کر منافقانہ صفات اختیار کریں گے، ان کے دلوں میں حقیقی وشعوری ایمان جگہ نہ پا سکے گا، وہ شرک اور توحید کی حقیقت ہی سے واقف نہیں ہوں گے، اس کی وجہ سے وہ ایمان کا نور اپنے دل میں پیدا نہ کرسکیں گے، جب دل میں ایمان کا نور نہ ہوگا تو وہ شیطان کا گھر بن جائے گا، ایسے انسانوں کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی رحمت بھی نظر نہ آئے گی، نہ وہ آپ ﷺ کی رحمت، نور اور اُجالے والی زندگی کو پسند کریں گے، اس لئے وہ صرف مسلم ماں باپ کے پیٹ میں پیدا ہوکر بے شعوری اور اللہ کی معرفت حاصل نہ کرکے تقلیدی، خاندانی اور بے شعوری والا ایمان نہ رکھیں، اور صرف جسم کے نام سے مسلمان نہ بنے رہیں، اور اپنے آپ کو شرک میں مبتلا کرکے مردہ انسان نہ بنائیں۔

اس لئے ہر مسلمان اللہ کا ہر وقت شکر ادا کرے کہ اللہ نے انہیں رحمۃ للعالمین کی امت میں پیدا فرماکر بہت بڑا احسان کیا ہے، ان کے ایمان پر قائم رہنے سے ساری کائنات کی زندگی چل رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اسکارف پہن کر چہرہ کھلا رکھنا مکمل پردہ نہیں ہے

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۔ (النور: ۳۱)

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہوجائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنی باندیوں کے، یا ان خدمت گذاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا، یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے، اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہوجائے، اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کروتا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحاً فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

عَلِیۡمٌ ○ (النور:٦٠)

ترجمہ: اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، ان کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں نامحرموں کے سامنے) اُتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں، اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔

یَا نِسَاء النَّبِیِّ مَن یَأْتِ مِنکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُضَاعَفْ لَہَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذَلِکَ عَلَی اللَّہِ یَسِیْراً (30) وَمَن یَقْنُتْ مِنکُنَّ لِلَّہِ وَرَسُولِہِ وَتَعْمَلْ صَالِحاً نُّؤْتِہَا أَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ وَأَعْتَدْنَا لَہَا رِزْقاً کَرِیْماً (31)یَا نِسَاء النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاء إِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (32)وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاہِلِیَّۃِ الْأُولَی وَأَقِمْنَ الصَّلَاۃَ وَآتِیْنَ الزَّکَاۃَ وَأَطِعْنَ اللَّہَ وَرَسُولَہُ إِنَّمَا یُرِیْدُ اللَّہُ لِیُذْہِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ أَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْراً (33) وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلَی فِیْ بُیُوتِکُنَّ مِنْ آیَاتِ اللَّہِ وَالْحِکْمَۃِ إِنَّ اللَّہَ کَانَ لَطِیْفاً خَبِیْراً ○ (الاحزاب:٣٠ تا٣٤)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی بے ہودگی کا ارتکاب کرے گی، اس کا عذاب بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے گا، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے تابع دار رہے گی اور نیک عمل کرے گی، اُسے ہم اس کا ثواب بھی دوگنا دیں گے، اور اس کے لئے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔ اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دِکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دِکھایا جاتا تھا، اور نماز قائم کرو، اور

زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اے نبی کے اہل بیت (گھر والو)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو، یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاء حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ . (الاحزاب:۵۳)

ترجمہ: اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاء الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً o (الاحزاب: ۵۹)

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں، اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی تو ان کو ستایا نہیں جائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، مہربان ہے۔

ایمان والوں کی معاشرتی زندگی کا ظاہری نور ایمان کے بعد شرم و حیاء والے اعمال سے ہے، جس کی وجہ سے دنیا کو اسلام و غیر اسلام کا فرق آسانی سے اندھیرے اور اُجالے کی طرح نظر آتا ہے، چنانچہ متقی پرہیزگار، دیندار عورتیں اللہ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے اللہ کی خاطر پردہ کو اپنے لئے لازم کر لیتی ہیں، چنانچہ وہ نہ صرف پردہ کرتی ہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنی آواز کو، اپنی بناؤ سنگار کو، اپنے چہرے کو، اپنے بالوں کو، اپنے زیور کو اور اپنی زینت کو بے شعور اور غیر ایمان والی عورتوں کی طرح غیر مردوں کو راغب کرنے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ظاہر نہیں کرتیں، وہ جانتی ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے شرعی لباس میں نہ صرف جسم پر پہننے والے لباس کو رکھا ہے بلکہ چادر اور سینے پر ڈوپٹہ اور چادر کا پلو

بھی شامل رکھا ہے، اور اسلام ان میں شرم وحیاء پیدا کرنے کے لئے باریک لباس، نیم برہنہ لباس، مغربی کلچر والا لباس، فلمی اداکاروں کی نقل والا فیشن کا لباس اور نیم عریانیت سے دور رہنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔

اسلام نے شرم وحیاء پیدا کرنے کے لئے ایمان والوں پر دو قسم کا پردہ مقرر کیا ہے، ایک محرم لوگوں سے پردہ، دوسرے نامحرم لوگوں سے پردہ کا حکم دیا ہے، جس میں سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں تفصیلی احکام دئے ہیں، احادیث میں اس کی تشریحات موجود ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دین کی ایک اہم خصوصیت ہے، اور اسلام کی خصوصیت ''حیاء'' ہے۔ (ابن ماجہ) حیاء ہی کی وجہ سے انسان میں بہت سارے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر شاخیں ہیں، ان میں سے ایک شاخ ''حیاء'' ہے۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء اور ایمان دونوں لازم وملزوم اکھٹے رہتے ہیں، ان میں سے ایک الگ ہوجائے یا چلا جائے تو دوسرا باقی نہیں رہتا۔ (بیہقی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے حیائی وبے شرمی بدکاری میں سے ہے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء ایمان کا جزو اور پھل ہے، جس کے پاس حیاء نہ رہے وہ پھر جو چاہے کرلے۔ (بخاری ومسلم)

حیاء کا خاص تعلق اور اس کی روح عورتوں کے لئے پردہ کرنے، فحش کاموں سے دور رہنے اور فحش گفتگو سے بچنے سے ہے، بے پردگی، نیم عریانیت اور فحش کام، مومن کی اسلام کی معاشرتی زندگی کو برباد کردیتی ہے اور بہت سے جرائم اور بداخلاقیاں پیدا کردیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر سورۂ نور، آیت نمبر: ۳۰ میں ایمان والوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، گویا نگاہوں کو نیچی رکھنے سے انسان آنکھوں، دل، دماغ، ہاتھوں اور پیروں کے زنا سے محفوظ رہتا ہے، اور اپنی

شرمگاہ کی حفاظت کرسکتا ہے، اس میں شرم وحیاء پیدا ہوکر وہ دوسروں کی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی پر غلط نگاہیں نہیں ڈالتا اور اپنے دل ودماغ میں ناجائز طریقے سے شہوت پورا کرنے کا خیال بھی پیدا ہونے نہیں دیتا۔

بے حیائی کی صفت گویا زنا کے پیدا ہونے کا ایک ذریعہ ہے، اسلام ایمان والے معاشرہ کو پردہ اختیار کرنے کا حکم دے کر معاشرے میں گندگی پیدا ہونے سے عورتوں کی عصمت وعفت کو محفوظ رہنے کے لئے پردہ کا حکم دیا ہے۔

ایک عورت جب بے پردہ بن کر بناؤ سنگار کرکے اور اپنے زیورات کی نمائش کرتی ہوئی بن سنور کر گھر سے باہر نکلتی ہے تو ایسی عورتوں کی شیطان تاک میں رہتا ہے اور اُسے مردوں کی نگاہوں میں للچائی ہوئی بنا کر مرد اور عورت میں کشش ابھارنے کی کوشش کرتا ہے، چاہت اور محبت پیدا کرتا ہے۔

جب کوئی عورت بے پردہ نکلتی ہے تو ہزاروں مردوں کو اپنی چال سے، اپنی آواز سے، اپنی جسمانی ہیئت سے، اپنی گفتگو سے اور اپنی نزاکتوں سے گناہوں میں مبتلا کرتی ہے، کوئی مرد اپنی آنکھوں سے، کوئی کانوں سے، کوئی اس کی چال ڈھال سے اور کوئی اس کی باتوں اور آواز سے زنا میں مبتلا ہوکر گناہ کرتا ہے۔

عورت کی مثال املی یا لیمو جیسی ہے، جب اس پر سے چھلکا نکال دیا جائے تو آدمی بخار ہی میں کیوں نہ ہو منہ میں پانی آجاتا ہے، جس طرح سونا، چاندی اور دولت کو چھپانا ضروری ہے؛ کھلا رکھنے اور حفاظت سے نہ رکھنے پر چور، ڈاکو اس پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، اسی طرح عورت کو گھر میں محفوظ رہنا اور پردے میں رہنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مختلف جاندار مخلوقات پیدا کیں، ہر ایک کا کلچر الگ الگ بنایا، گائے، بیل، بھینس، بکری، ان میں پردہ نہیں ہے، وہ نر اور مادہ ایک ساتھ، ایک ہی میدان میں مل کر چرتے پھرتے ہیں، ایک نر چار مادہ کے پیچھے، یا ایک مادہ چار نروں کے ساتھ رہتی ہے، ان میں آزاد شہوت ہوتی ہے، وہ جب چاہے جس کے ساتھ چاہے اپنی شہوت پوری

کر لیتے ہیں، پرندوں میں پرندے جوڑا جوڑا بن کر رہتے ہیں، جب تک جوڑا بنے رہتے ہیں کسی دوسرے نر یا کسی دوسری مادہ کے ساتھ نہیں رہتے۔

اللہ نے تمام مخلوقات میں سب سے اونچا مقام انسان کو عطا فرمایا، اور ان کو زندگی گذارنے کا ضابطہ اور قانون بھی سب سے اعلیٰ دیا، اب انسان سب سے اعلیٰ تمدن رکھتے ہوئے جانوروں کے کلچر کو اختیار کرے تو یہ اس کی زندگی میں فساد برپا کردے گا، چنانچہ جو انسان وحی کا انکار کرتے ہیں، یا وحی پر عمل نہیں کرتے وہ دنیا کی زندگی میں بے پردہ و بے حیاء بنے رہتے ہیں، جس طرح ایک نر چار مادہ' یا چار نر ایک مادہ ایک ساتھ رہتے ہیں' ویسے انسان بھی جانوروں کی طرح غیر ذمہ دار بن کر رہتے ہیں اور شیطانی زندگی گذارتے ہیں اور آزاد شہوت رانی میں مبتلا رہتے ہیں، ایسا انسانی معاشرہ جنگل کے معاشرے سے کم نہیں ہوتا۔

اسلام نے انسانی معاشرے کو گندگی سے بچانے کے لئے اور نورانی و جنتی زندگی دنیا میں عطا کرنے کے لئے پردہ کو ایمان والوں پر لازم کیا ہے، اور مرد و عورت کے لباس میں ستر کو قائم کیا، جس کی وجہ سے ایک عورت اپنے باپ' بھائی' بیٹے اور وہ محرم افراد جن سے اس کا نکاح حرام ہے ان کے سامنے گھر کے اندر کا پردہ رکھا، کہ وہ ان رشتہ داروں کے سامنے چہرہ' ہاتھ اور پاؤں کھلے رکھ سکتی ہے، مگر ان کے سامنے سینہ کے ابھار، پیٹ' پیٹھ' بال اور جسم کے اعضاء کے اتار چڑھاؤ کو ظاہر نہیں کرے گی، باقاعدہ اوڑھنی' دوپٹے یا چادر کا استعمال کرنے کا حکم دیا، البتہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے سامنے بغیر پردے کے رہ سکتے ہیں، اکثر عورتیں اپنے نامحرم رشتہ دار باپ' بھائی' بیٹوں کے سامنے میکسی پہن کر بغیر ڈوپٹے کے گھروں میں بال کھلے رکھ کر پھرتی رہتی ہیں، بعض تو ان رشتہ داروں کے سامنے اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے سینہ کھول کر بلا احتیاط بیٹھتی ہیں، اور گھروں میں چچا' پھوپھا' خالہ زاد بھائیوں' دیور' بہنوئی سے جوان ہونے کے بعد بھی پردہ نہیں کرتیں، ان سے مصافحہ کرتی ہیں، گلے بھی ملتی ہیں، مذاق دل لگی بھی کرتی ہیں، پردہ میں

رہ کرنا محرم مردوں کو سلام بھی کرتی ہیں، نزاکت سے بات کرتی ہیں، یہ غیر اسلامی تمدن ہے اور غیر اسلامی اور بے دین معاشرہ کی علامت ہے۔

گھر سے باہر کے ماحول میں بہت سی عورتیں پردہ کرنا معیوب اور مساوات کے خلاف، غریبی کی علامت اور ترقی میں رُکاوٹ تصور کرتی ہیں، وہ پردہ کرنے کو غیر مہذب اور دقیانوسی کلچر سمجھتی ہیں، یہ کیفیت خاص طور پر ان گھروں میں زیادہ ہے جہاں ان کی مائیں، بہنیں پردہ نہیں کرتیں یا وہ غیروں کے انگریزی اسکول اور کالجوں میں تعلیم پاتی ہیں،، یا دولت مند ہوں، ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دین کی کچھ تعلیم ملے تو وہ بالوں کو چھپانے کے لئے اسکارف پہننے کو پردہ کرنا تصور کرتی ہیں، اور اسی کو حجاب کا نام دیتی ہیں، حالانکہ اسکارف پہن کر چہرہ کھلا رکھنے سے پردہ نامکمل ہوتا ہے، اللہ کا حکم مکمل نہیں ہوتا، غیر مسلم عیسائی نن، سسٹر اسکارف اوڑھ کر چہرہ کھلا رکھتے ہیں، یہ ان کی اتباع ہے دین کی نہیں، ان کو چہرہ چھپانے سے نفرت اور گھبراہٹ ہوتی ہے، نن سسٹر چہرے کو نہیں چھپاتیں۔

اللہ کی تاکید کے باوجود مسلم معاشرہ آہستہ آہستہ بے پردہ ہوتا جارہا ہے، اور بے حیائی و بے شرمی میں تبدیل ہوتا جارہا ہے، مذہبی ذہن رکھنے والی عورتیں بھی پردے سے بے پردہ ہوکر اسکارف پہننا شروع کردیا ہے، اسکارف کے ذریعہ چہرہ تو کھلا رکھتی ہیں، مگر برقعہ پہن کر کپڑوں کو چھپاتی ہیں، اور چہرہ کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں، وہ کپڑوں پر سے برقعہ پہننے اور سر کو اسکارف پہن کر ڈھانک لینے کو پردہ تصور کرتی ہیں، حالانکہ اسلامی اعتبار سے یہ نامکمل پردہ ہے۔

جبکہ قرآن مجید کے سورۃ الاحزاب آیت:۵۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تاکید کی ہے کہ اگر کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، اور یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب اور بہتر طریقہ ہے۔ (مکمل پردہ اختیار کرنے کا یہ کھلا حکم ہے۔)

پھر اسی سورۃ کی آیت:۵۹ میں یہ تاکید کی گئی کہ اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل

ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ مناسب و بہتر طریقہ ہے؛ تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے۔

ان دونوں آیتوں میں ایمان والوں کو خاص طور پر یہ حکم دیا جارہا ہے کہ کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، اگر چہرے کا پردہ نہ ہوتا تو یہ حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ مطلب یہ کہ پردے کے پیچھے سے مانگنا یہ صاف تعلیم دیتا ہے کہ عورتوں سے بے حجاب اور روبرو ہو کر کوئی چیز نہ مانگی جائے، سامنے آکر مانگنے سے روکا جارہا ہے تاکہ عورتیں بے پردہ نہ ہوجائیں، ان میں اور غیر مردوں میں پردہ برقرار رہے، ورنہ یہ حکم بے معنیٰ ہوجاتا ہے۔

اگر چہرے کا پردہ نہ ہوتا تو یہ حکم کیوں دیا جاتا کہ پردے کے پیچھے سے مانگو، مطلب یہ کہ پردہ دار عورتوں کے سامنے جا کر کوئی چیز نہ مانگی جائے، پردے کے پیچھے رہ کر مانگی جائے، ورنہ عام حالات میں اس کی خاص ضرورت ہی نہ ہوتی، کیونکہ عورتوں کے دوسرے اعضاء تو تقریباً لباس سے ڈھکے ہوتے ہیں، چہرے کا پردہ نہ ہوتا تو یہ بھی کہا جاسکتا تھا کہ غیر عورتوں سے کوئی چیز سامنے جا کر مانگ سکتے ہو، اس تاکید سے نامحرم کے سامنے پورے جسم کا پردہ یعنی چھپانا لازمی اور ضروری ہے۔ یہ حکم صرف اسلام میں ہے، غیر اسلام میں نہیں۔

اسی طرح مومن عورتوں کو یہ بھی تاکید کی گئی کہ اپنی چادریں اپنے اوپر سے اوڑھ لیا کریں، چادر کے پلو کو اسی وقت لٹکایا جاسکتا ہے، جب سر پر سے اوڑھی جائے، ورنہ پلو لٹکایا نہیں جاسکتا، سر پر سے اوڑھ کر پلو لٹکانے ہی سے چہرہ بھی اس میں شامل ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے چہرہ چھپ جاتا ہے، اور عورت کی شناخت نہیں ہوتی، چادر اوڑھنے کا جو حکم دیا جارہا ہے اس کا منشاء ہے کہ اجنبیوں سے چہرے کی زینت چھپانا مقصود ہے۔

پہچان لی جائیں سے مراد یہ ہے کہ برقعہ یا چادر دیکھ کر حیاء دار اور ایمان والی عورت پہچان لی جائے کہ شریف و دیندار عورت ہے، بے حیاء، آوارہ اور غیر ایمان والی نہیں، کسی کی بھی پہچان اور شناخت چہرے ہی سے ہوتی ہے، چہرہ چھپانے ہی سے غیر مردٔ عورت کی

طرف متوجہ نہیں ہوتے، اگر سر پر سے چادر اوڑھنے یا برقعہ پہننے کے باوجود چہرہ کھلا رکھیں تو چادر اوڑھنے اور برقعہ پہننے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ چادریں اوڑھنے سے دیندار متقی و پرہیزگار عورت کی پہچان ہو جائے گی، لوگ اس کو بری نگاہوں سے دیکھنے اور چھیڑنے کی کوشش نہیں کریں گے، لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کے لئے امتحان رکھا ہے۔

اس لئے شیطان نے اکثر عورتوں کو خاص طور پر اللہ کی نافرمانی کروانے کے لئے یہ احساس دلا دیا کہ پورا جسم تو برقعہ میں چھپا لیا جائے، لیکن جو اصل مرکزِ شر ہے' جس سے مرد راغب ہو سکتے ہیں' جس کو دیکھ کر عورتوں کو پسند یا ناپسند کیا جاتا ہے، جو مردوں کے لئے کشش کا ذریعہ ہے، وہ کھلا رکھا جائے تاکہ مسلم معاشرہ بے حیاء اور بے پردہ ہو جائے، چہرے ہی سے زنا کی ابتداء ہوتی ہے، ابتدائی تعلق پیدا ہوتا ہے، آنکھوں کا زنا شروع ہوتا ہے، برقعہ یا چادر کو سر پر سے اوڑھنے سے چہرے کے ساتھ عورت کی پوری جسامت یعنی جسم کا اتار چڑھاؤ سب چھپ جاتے ہیں، اور یہی مکمل پردہ ہوگا، آج کل چادر کی جگہ عبایا Abaya استعمال ہو رہا ہے، جس سے عورت کے جسم کا اندازہ نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، حضور ﷺ نے اپنی دونوں ازواج کو پردے میں جانے کے لئے کہا، ازواجؓ نے کہا کہ وہ تو نابینا ہیں، ہم کو دیکھ نہیں سکتے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر صرف چہرے کو کھلا رکھنے کا حکم ہوتا تو نابینا صحابیؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کو بیٹھے رہنے کو راضی رہتے، اس لئے پردے کا لحاظ دونوں طرف سے ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کی آواز کا بھی پردہ رکھا، اور تاکید فرمایا کہ پردے میں رہ کر لچک دار انداز میں دبی اور نرم زبان میں باہر کے نامحرم انسان کو جواب نہ دو، بلکہ کڑک

لہجے میں جواب دو تاکہ پردے سے باہر جو انسان ہے وہ دل کی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائے، اسی طرح مرد اور عورت دونوں کو اپنی نگاہوں کو نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ بے حیائی و بے شرمی کا ماحول پیدا نہ ہونے پائے۔

جو عورتیں چہرے کے پردے کا انکار کرتی ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ پورے جسم میں مرد سب سے پہلے عورت کی طرف چہرہ ہی کو دیکھ کر رغبت اختیار کرتا ہے، جس سے وہ آنکھوں کے گناہ میں گرفتار ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہ پہلے عورت کے پیروں، یا ہاتھوں یا کسی دوسرے عضو کو دیکھ کر متوجہ نہیں ہوتا، چہرہ اور جسم کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر متوجہ ہوتا ہے، اگر کوئی عورت بوڑھی ہو، منہ میں دانت نہ ہوں، پوپلی ہو، چہرے پر بوڑھاپے کی جھرّیاں ہوں، آنکھوں، بھوؤں اور سر کے بال سفید ہوں، آواز میں کمزوری ہو، کشش نہ ہو، یا عورت ترچھی نظر والی، یا اندھی ہو، یا منہ پر داغ ہوں، تو مرد ایسی عورتوں کی طرف رغبت نہیں کرتے، عورتیں خود ایسی لڑکی یا عورت کو بہو بنانا پسند نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ عورت کے چہرے میں حسن و خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے عورت کی آنکھوں کو صراحی دار یا کلی دار خوبصورت، بڑی یا چھوٹی اور چمکدار، بڑی پلکوں والی بناتا ہے، آنکھوں میں بھورا پن، یا کالا پن یا ہرا رنگ رکھتا ہے، جو امریکہ کی عورتوں میں اکثر نظر آتا ہے، ہونٹوں کو لال، گلابی اور پتلی رکھتا ہے، ناک نازک، پتلی اور سیدھی بناتا ہے، بعض کی آنکھیں بڑی بڑی گول کلی دار بناتا ہے، کسی کی گردن صراحی دار اور لمبی ہوتی ہے، کسی کا چہرہ لمبا اور کسی کا گول اور کسی کا کتابی رکھتا ہے، عورت کے چہرے پر داڑھی مونچھ نہیں رکھتا، عورت کی آواز میں مٹھاس اور کشش رکھتا ہے، بعض عورتوں کے دونوں گالوں پر ہلکی سی لالی پیدا کرتا ہے، جو کشمیری عورتوں میں اکثر نظر آتا ہے، بعض کے گالوں میں ہلکا گڑھا بھی رکھتا ہے، پھر اس کے باوجود عورتوں کو اپنے شوہروں کے لئے بناؤ سنگھار کرنے کا طریقہ رکھا، جس کی وجہ سے عورتیں اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگار کرتی ہیں اور اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لئے سر میں پھول، ہاتھوں میں مہندی، گلے، کانوں اور پیروں میں زیور پہنتی

ہیں، اپنے ہونٹوں کی لالی بڑھانے کے لئے لپ اِسٹک لگاتی ہیں، آنکھوں میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے کاجل استعمال کرتی ہیں، آئیبر و بنا کر بھوؤں کو کالا کرتی ہیں، آنکھوں کی پلکوں کو مختلف قسم کی رنگین عرش لگاتی ہیں، چہرے کو پاؤڈر اور دوسرے مسالے لگا کر حسن میں اضافہ کرتی ہیں، کانوں اور ناک میں زیور پہن کر اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں، چہرے پر تل کا نشان بناتی ہیں، دانتوں میں چمک پیدا کرتی ہیں۔

سوچئے کہ یہ سب چیزیں ہاتھوں اور پیروں میں کیوں نہیں لگائی جاتیں؟ جو چیز چھپانے کی ہے اُسے شیطان کے بہکاوے میں چہرے کے پردے کا انکار کرنے والیاں کھلا رکھتی ہیں، اور جو چیز مردوں کے لئے کشش اور جاذبیت کم رکھتی ہیں اُسے تو چھپاتی ہیں، جبکہ پورے جسم پر لباس ہونے کے باوجود مزید اُسے چھپایا جا رہا ہے، کیا برقعہ اور اسکارف کے ذریعہ ہاتھوں پیروں' پیٹ' بالوں اور کانوں ہی کو چھپانا مقصود ہے، یہ عقلمندی نہیں بلکہ شیطان کا بہکاوا ہے، جہاں سے شر اور زنا شروع ہوتا ہے اُسے کھلا رکھا جا رہا ہے، چہرہ کھلا رکھ کر، یا بیل بوٹوں والا برقعہ پہن کر غیر مردوں کو گویا دعوت کشش اور راغب کرنے کے لئے اپنا حسن دکھانے کا موقع دیا جا رہا ہے، یہ پردہ نہیں کہلاتا۔

ایسی عورتیں چہرہ کھلا رکھ کر نامحرم مردوں سے **Exquese me brother** یا **Exquese me** کہہ کر باتیں کرتی ہیں، باہر کے تمام کام خود کرنا چاہتی ہیں، اور بازاروں میں کھلے چہرے کے ساتھ کھاتی پیتی پھرتی ہیں اور ہزاروں مردوں کو اپنی بے پردگی کے ذریعہ گناہ میں مبتلا کرتی ہیں، اس لئے چہرہ کھلا رکھ کر اسکارف اوڑھنے سے مکمل پردہ نہیں ہوتا، وہ بھی بے پردگی اور اللہ کی نافرمانی ہی ہے۔

اگر چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہوتی تو پھر بوڑھی عورتوں کو جن کے نکاح کی امید نہ ہو ان کو چادریں اتار کر رکھنے کی اجازت کیوں دی جا رہی ہے، اس لئے کہ ان کے چہرے میں نامحرم مردوں کو متوجہ ہونے کی کشش باقی نہیں رہتی، نہ ان سے کسی قسم کا سیکس ظاہر ہوتا ہے، نہ وہ اپنی زینت ظاہر کر کے کسی کو متاثر کر سکتی ہیں، اسی طرح لڑکیاں جوان ہونے

کے بعد پردہ ان پر لازم ہوتا ہے جوانی سے پہلے ان میں نہ کسی کو جلبات نظر آتے ہیں اور نہ سیکس ابھرتا ہے، نہ کسی مرد کو کم سن لڑکیوں کو دیکھ کر شہوت ابھرتی ہے۔

عورتوں کو اللہ نے خاص طور پر زیور کی نمائش کر کے سج دھج کر بھی غیر مردوں کے سامنے پھرنے سے منع کیا اور تاکید کی کہ اپنے زیور کی نمائش کرنے کے لئے زمین پر پاؤں مار کر آواز نہ کریں، یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ ہے، جب زیور کی نمائش سے روکا گیا تو چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ زیور کی زینت ونمائش کن کن رشتہ داروں کے سامنے کرنا ہے اس کو تک سمجھایا گیا،عورت جتنا بے پردہ بنے گی اس پر سے سیکس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔

جو لوگ دنیا میں بے پردگی کا ماحول بنائیں گے اس کو رواج دیں گے تو جتنے لوگ قیامت تک ان کی بے پردگی کی نقل کریں گے تو اس کا گناہ بھی بے پردگی کو پھیلانے اور رواج دینے والوں کو ہوگا،اس لئے کہ یہ متعدی بیماری کی طرح پھیلتی جاتی ہے،بے پردگی کے ذریعہ اسلام کو کمزور کرنا اور مٹانے کا عمل کرنا ہے اور اسلامی معاشرے کی دنیا کے سامنے تصویر کو خراب کرنا ہے، بے پردگی سے اسلام اور غیر اسلام کا فرق دوسرے انسانوں کو سمجھ میں نہیں آتا، غیر مسلم قرآن مجید پڑھنے سے پہلے مسلمانوں کی زندگی کو پڑھیں گے،اس لئے پردہ اختیار کر کے قرآن مجید کی چلتی پھرتی مثال بنئے، پردے سے دعوت کا حق ادا کرتے ہوئے دنیا کو دعوتِ دین دیجئے،اور جانوروں کا کلچر اختیار مت کیجئے،زنا کا ماحول پیدا مت کیجئے۔

قرآن مجید پر ایمان رکھ کر احکام سے واقف ہو کر اگر احکام کی خلاف ورزی کی جائے تو نہ جاننے والے کے مقابلے دوہرے جرم کے مجرم بنیں گے،اس لئے اللہ کی اس تاکید کو یاد رکھ کر اللہ کی عبدیت و بندگی کیجئے،سورۂ بقرہ میں اللہ کے فرمان ''کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟'' سے سبق لیجئے۔

پردے کا کھلا حکم ہے،اس میں تاویلات کرنا اور کچھ پردہ کرنا اور کچھ نہ کرنا' شریعت سے بچنے کے بہانے ہیں،ایمان کی کمزوری کی علامت ہے،اللہ کی نافرمانی ہے۔

☆☆☆☆☆

قرآن کو صرف بوسہ دینے اور آنکھوں کو لگانے سے ہدایت نہیں ملتی

اُتْلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ٥ (عنکبوت: ۴۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی گی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو، بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ وہ سب جانتا ہے۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ تین چیزوں کا حکم دے رہا ہے: (۱) تلاوتِ قرآن، (۲) نماز کی پابندی کا اہتمام، (۳) ذکرِ الٰہی کی تلقین۔

کفر اور شرک سے مقابلہ کے لئے یہ تینوں چیزوں کی پابندی کرتے رہنا، اس سے ایمان ہمیشہ زندہ اور تازہ رہتا ہے اور شرک سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

قرآن مجید دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کی قدر وہی انسان کرسکتا ہے جو اس کی تلاوت' ہدایت کرنے اور اسی کے مطابق زندگی گذارنے کی پیاس رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ دوسری مخلوقات کی طرح انسان اور جن کو پیٹ میں فطری ہدایت رکھ کر پیدا نہیں کرتا؛ بلکہ قرآن مجید کو نازل کرکے باہر سے پیغمبر کے ذریعہ یا پیغمبر کے وارثوں کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے کا انتظام کیا ہے، جس میں اللہ نے جن اور انسانوں کو اپنی پہچان کرواکر زندگی کے ہر شعبے کے ضابطے اور قانون کے احکام دئے اور اپنی عبدیت و بندگی کی تعلیم دی، مرنے کے بعد دنیا کی زندگی کا حساب لینے، سزا اور جزاء دینے کا احساس دلایا، تاکہ انسان دنیا کی زندگی سے آخرت میں کامیاب ہوسکے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام آسمانی کتابوں کا عطر اور نچوڑ بنادیا، اس پر عمل کئے بغیر انسان کی نجات نہیں ہوسکتی۔

قرآن مجید کی پوری تعلیمات کو جمع کیا جائے تو وہ عقائد' عبادات' معاملات' معاشرت اور اخلاقیات کے عنوانات کا خلاصہ ہے، اگر انسان قرآن مجید کی تلاوت ہدایت حاصل کرنے کے لئے کرے تو وہ ان پانچ چیزوں پر اللہ کی اطاعت و بندگی کر کے اللہ کی جماعت یعنی حزب اللہ میں شامل ہوسکتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے اور اللہ کی صحیح معرفت حاصل کرنے کے لئے اس کی صفات کو کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کر کے حاصل کرنا ہوگا، اور اللہ کی صفات کو مخلوقات میں ماننے نفی کرنا ہوگا، اور اللہ کے حقوق جو بندوں پر عائد ہوتے ہیں مثلاً سجدہ رکوع، دعاء، منتیں' مرادیں، محبت، طواف وغیرہ اگر مخلوقات کے ساتھ کرے تو بندہ ایمان والا نہیں بن سکتا، اس لئے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ جیسا ایمان لانا ہوگا، تب ہی اس کے دوسرے اعمالِ صالحہ قبول ہوسکتے ہیں، اس لئے مسلمان کو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے خالص ایمان چاہیئے، تلاوت کرتے ہوئے توحید اور شرک کا ملا جُلا عقیدہ رکھنا اور شرعیہ عقائد و اعمال میں گرفتار رہنا، ایسا انسان ''حزب اللہ'' اللہ کی جماعت والا نہیں ہوگا، ایسا مسلمان قرآن مجید سے ہدایت حاصل نہیں کرسکتا۔

صحیح ایمان قبول کرنے کے بعد زندگی کا ضابطہ اور قانون جاننے کے بعد معاملات، معاشرت اور اخلاقیات میں جان بوجھ کر قرآنی احکام کے خلاف چلے تو مسلمان تو رہے گا، مگر متقی نہیں کہلاسکتا، اس کا شمار فاسق وفاجر انسانوں میں ہوجائے گا، قانون جاننے کے باوجود نافرمانی کرے تو وہ بڑا مجرم بنا رہے گا، اس لئے تلاوت قرآن صرف حلق تک اور معلومات کی حد تک نہ رہے بلکہ دل میں قرآن مجید کا نور اتاریں، اور تلاوت قرآن کے بعد ان پانچوں شعبوں میں اصلاح کرنا ضروری ہے، اگر اصلاح نہیں ہورہی ہے تو وہ قرآن پڑھ کر ہدایت حاصل نہیں کر رہا ہے، یہ کب ہوگا؟ جب انسان اللہ کے کلام سے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے تلاوت کرے، اللہ کے احکام پر چلنے میں نجات کا عقیدہ رکھ کر انہیں روح کی غذاء بنائیں، ایسی تلاوت' مومن کے عقیدہ اور

اخلاق و کردار کی قوت بن جاتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے، مگر اکثر مسلمان سمجھے بغیر تلاوت کرتے ہیں، اور زیادہ تر مسلمان برکتاً یا قانوناً، رسم ادا کرنے، میت کو موت کے بعد کے مراحل میں آسانی کے لئے، یا اس کے ایصال ثواب کے لئے یا ختم قرآن کی محفلیں سجانے کے لئے، یا جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈوں کے لئے، بھوتوں کو بھگانے، بیماری سے شفاء کے لئے تبرکاً تلاوت کرتے ہیں، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے بہت کم تلاوت کرتے ہیں، مسلم معاشرے میں نافرمانی کی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کے دروس بہت کم ہوتے ہیں اور لوگوں میں اس کے سمجھنے کا ذہن نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ تجوید سیکھ کر اس کے الفاظ کو تیر کی طرح سیدھا کر لیتے ہیں، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس کی حرام کردہ باتوں کو حرام جاننے کے باوجود قرآن مجید کے خلاف عمل کرتی ہے۔

تلاوت قرآن مومن کی زندگی کی اصل روح اور بنیاد ہے، اس لئے تلاوت سے مراد صرف محض قانون کی پابندی اور رسم ادا کرنا نہیں ہے، بغیر سمجھے تلاوت کرنے سے ثواب حاصل ہو جائے گا، مگر قرآن جس مقصد کے لئے نازل کیا گیا ہے، وہ حاصل نہ ہوگا، بغیر سمجھے تلاوت کرنے سے کبھی ہدایت نہیں مل سکتی، تلاوت کے ذریعہ کائنات میں اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے دل میں حق الیقین پیدا کرنا ہوگا، صرف زبان اور حلق کی حد تک تلاوت کر لینے سے معلومات تو حاصل ہو جائیں گی، مگر انسان یقین کی کیفیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا، اپنے دل و دماغ کو متاثر نہیں کر سکتا، اکثر مسلمان قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھنے کی وجہ سے شرک اور توحید کا فرق ہی نہیں جانتے، اور کلامِ الٰہی کو زندگی کا مقصد نہیں بنا رہے ہیں، بہت سے مسلمانوں کا قرآن مجید پر ایمان ہی صحیح نہیں ہے، جو لوگ صرف برکت کے لئے تلاوت کرتے ہیں، ان کے ایمان میں اضافہ نہیں ہو سکتا، جو عمل یہود کا کتاب الٰہی کے ساتھ تھا وہی عمل اکثر مسلمانوں کا قرآن مجید کے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان

کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم، مؤطا)

جس تلاوت کے بعد انسان کا عقیدہ، فکر، خیالات اور عمل درست نہ ہو سکے اور قرآن پڑھنے اور احکام جاننے کے باوجود وہ اللہ کی منع کردہ چیزوں کو کرتا رہے تو گویا وہ قرآن سے فیض اور ہدایت ہی حاصل نہیں کیا، دنیا میں دو قسم کے مجرم ہوتے ہیں، پہلا قانون کو نہیں جانتا اور غلطی کرتا ہے، دوسرا قانون کو جانتا ہے اور جان بوجھ کر غلطی کرتا ہے، یہ شخص پہلے مجرم سے زیادہ بڑا مجرم ہوگا، یہی حال قرآن مجید کے احکام جان کر گناہ کرنے والوں کا ہوگا، یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ قرآن پر ایمان نہیں لاتا وہ شخص جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرلیا۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن حجت بنے گا یا تو تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف۔ (مسلم)

یعنی اگر قرآن کے احکام کی پابندی کی جائے تو وہ اس انسان کے لئے گواہ بنے گا ورنہ وہ اللہ سے شکایت کرے گا کہ اس نے مجھے پس پشت ڈال دیا تھا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً ○

(الفرقان: ۳۰)

ترجمہ: اور رسول (ﷺ) کہیں گے: اے میرے رب! میری قوم اس قرآن کو چھوڑ بیٹھی تھی۔

رسول اللہ صلی قیامت کے روز حق تعالیٰ سے شکایت کریں گے کہ اے میرے رب! میں نے تیری کتاب پوری دل سوزی کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے پیش کی، لیکن ان لوگوں نے اس کی کوئی قدر نہیں کی؛ بلکہ ناقدری سے اس کو ٹھکرا دیا۔ میری قوم نے قرآن کا انکار کیا اور اُسے **مھجور** یعنی بکواس سمجھا۔

مھجور سے دو مطلب نکلتے ہیں، کفار نے انکار کیا اور بعض روایات میں یہ بھی

ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں، مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں، نہ اس پر عمل کرتے ہیں، وہ بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شکایت کے بعد نافرمان لوگ منہ نہیں کھول سکیں گے۔ (معارف القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اس کو بند کر کے گھر میں رکھ دیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی، نہ اس کے احکام میں غور وفکر کیا، قیامت کے دن قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا، اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کا یہ بندہ مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ (قرطبی)

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ. (العنکبوت: ۴۵)

بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز مومن کی معراج ہے، جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا، جس نے نماز کو ڈھایا اس نے دین کو ڈھایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ (مسلم، ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: بندہ جب اللہ کا ذکر کرتا ہے، اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرشتوں میں کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت: ۱۵۲ میں ہے:

فَاذْكُرُونِيْٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

ترجمہ: پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اللہ کی یاد قائم کرنے کا سب سے بڑا طریقہ نماز ہے، **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔** اللہ سے ملاقات کا آسان طریقہ نماز ہے، اللہ سے بات کرنے کا طریقہ نماز ہے، اللہ سے دوستی پیدا کرنے کا طریقہ نماز ہے، اللہ کے سامنے اپنی غلامی اور بندگی کو ظاہر کرنے کا سب سے بڑا طریقہ نماز ہے، اللہ کو بڑا اور اپنے کو چھوٹا سمجھنے کا طریقہ نماز ہے، اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مجبور ومحتاج اور فقیر ظاہر کرنے کا طریقہ نماز ہے۔

تلاوت، نماز اور ذکرِ الٰہی کی برکت سے انسان کو گناہوں سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس میں صبر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور ایمان کو بار بار تازہ کرنے کا موقع ملتا ہے، اللہ کی یاد زندہ رہتی ہے۔

نماز بے دلی اور بے توجہی سے نہ پڑھی جائے، جسمانی اعضاء کی ورزش نہ ہو، بلکہ نماز کے ذریعہ دل و دماغ پر کلام الٰہی کا غلبہ پیدا کیا جائے، سمجھ کر تلاوت کرنا سب کاموں کی اصل روح اور بنیاد ہے۔

جب انسان نماز میں قرآن کی تلاوت کرے تو زندگی گذارنے کے ضابطے و قانون سے واقف ہونا ضروری ہے، ہر بار اُسے جاننا ہوگا کہ اللہ نے اُسے کن کن چیزوں کے کرنے اور کن باتوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور کس کس سے منع کیا ہے۔

نماز دراصل اللہ کی تعظیم، ادب و احترام اور خشیت کے ساتھ عبادت کرنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے، جس سے معبود کی انتہائی تعظیم کے ساتھ عبادت کرتے ہوئے عبدیت و بندگی کا اقرار کرنے کے بعد جان بوجھ کر اس کی نافرمانی کرنا بڑا جرم ہے، گویا اطاعت کا اقرار جھوٹا ہو جائے گا، یہ عہد و اقرار بندہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ذریعہ بار بار کرتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۝ (مریم:۵۹)

ترجمہ: پھر ان (پچھلی امتوں) کے بعد اُن کی نالائق اولاد ان کی جانشین بنی جنہوں نے نماز ضائع کیا اور خواہشات نفسانی میں لگے رہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، پچھلی امتوں کے زوال اور تباہی کا پہلا قدم نماز کو ضائع کرنا تھا، نماز سے بے تعلق ہو جانا اور دنیا کی محبت میں وقتی لذتوں، مصروفیات اور دنیا کمانے میں لگے رہنا، اپنے زوال اور دینی زندگی کے برباد ہونے کا پہلا قدم ہے اور دین بیزاری کا ثبوت دیتا ہے۔

نماز ادا کرنے سے ایمان بار بار تازہ، مضبوط اور زندہ ہوتا رہتا ہے، دن رات اللہ

تعالیٰ کی یاد دل و دماغ پر سوار رہتی ہے، گویا نماز ایمان والوں کے لئے روحانی غذاء ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت و وفاداری اور غلامی کا پانچ وقت مظاہرہ اور سلامی ہے، جو لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں وہ فرمانبرداری کا جذبہ اپنے اندر زندہ رکھ سکتے ہیں، ہر عمل میں ایک نماز سے دوسری نماز تک ان پر اللہ کی دھن سوار رہتی ہے، جس طرح مچھلی پانی سے باہر بے چین رہتی ہے اسی طرح مومن نماز کے چھوٹ جانے پر بے چین و بے قرار رہتا ہے۔

جو لوگ نماز کو ضائع کرتے ہیں یا اس کی عادت چھوڑتے ہیں وہ اللہ کو بھولتے ہیں اور اس سے غافل بنے رہتے ہیں، جس کی مثال صرف جمعہ کو یا رمضان میں نماز ادا کرنے والوں کی ہے، ان کے دل و دماغ سے اللہ کا غلبہ اور خیال ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ کی عظمت بیٹھ جاتی ہے، اور ان کی زندگی اور غیر ایمان والوں کی زندگی میں فرق باقی نہیں رہتا۔

قیامت میں ایمان کے بعد جس کی نماز صحیح ہوگی اس کے دوسرے اعمال بھی قبول ہوں گے، قرآن نے جہنمی انسانوں کی حالت کو سمجھا کر بیان کیا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ آخر جہنم میں کیسے آ گئے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، آخرت میں اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے تو جو لوگ دنیا میں اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ کھڑے قد سے گر جائیں گے، سجدہ نہیں کر سکیں گے، ان کی پیٹھ اکڑ جائے گی، جس طرح ایمان کے بغیر انسان مردہ لاش کی مانند ہے، جس طرح بغیر سر کے جسم کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے انسان کا مسلمان ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔

نماز کو چھوڑنا گویا اللہ سے دور ہونا ہے، نماز کو ضائع کرنا اللہ کے نور سے محروم ہونا ہے۔ (دارمی، مسند احمد)

نماز کی پرواہ نہ کرنا رزق سے محروم ہونا ہے، اور نماز کا ادا نہ کرنا اللہ کے ساتھ ناشکری کرنا ہے، اور اللہ کے باغی ہونے کا ثبوت دینا ہے، اسلام میں توحید کے بعد سب

سے پہلا مقام نماز کا ہے۔(غزالی)

کتے کو جب کوئی شخص پالتا، اس کی دیکھ بھال کرتا ہے تو وہ مالک کا وفادار بنا رہتا ہے، اس کے نظر نہ آنے کے باوجود اس کی آواز سنتے ہی دوڑ کر اس آواز کی طرف بھاگتا ہے، مالک کے پیروں سے چمٹ جاتا ہے، اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود مؤذن کی آواز پر اپنے مقام سے چمٹے رہیں، دکان' مکان نہ چھوڑیں تو پھر ہمیں اپنے مسلمان ہونے کا جائزہ لینا ہوگا، اس لئے نماز کی پابندی کر کے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا ثبوت دیجئے، یہ کب ہوگا؟ جب اللہ سے سچی اور حقیقی محبت ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دین کے دوسرے تمام احکام کو بھی اور زیادہ ضائع کرے گا۔(مؤطا امام مالک)

نماز کی پابندی کے بغیر مسلم معاشرہ' صالح نہیں بن سکتا، اوپر بیان کی گئی آیات میں نماز کے دو اثرات بیان کئے گئے ہیں، (۱) فحش کاموں سے روکتی ہے، (۲) منکرات سے بچاتی ہے۔

فحش ہر ایسے کام اور گفتگو کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور ہر انسان کا ضمیر اس کو برا اور گناہ سمجھتا ہے، جیسے قوم لوط کی بدکاری، قومِ شعیب کی قوم کی ناپ تول میں کمی' گالی گلوج' جسم فروشی' مرد مرد کے ساتھ اور عورت عورت کے ساتھ شادی کرے، جھوٹی گواہی، وعدہ خلافی، دھوکہ، فریب، چوری وغیرہ۔

منکر وہ قول وفعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر ضمیر اتفاق کرتا ہو، جیسے شرک، کفر، منافقت، فسق و فجور، ناچنا گانا بجانا، برہنہ رہنا، مخلوق سے رجوع ہونا، غیر اللہ سے دعائیں مانگنا، منتیں مانگنا، مخلوق کی بڑائی کرنا، ناحق قتل کرنا۔

نماز مؤمن کے لئے فحش و منکرات سے بچنے کا زبردست نسخہ ہے

موجودہ زمانے میں اکثر مسلمان جسم کے نام سے مسلمان بنے ہوئے ہیں، مزدور طبقہ، کاریگر طبقہ، فقیر طبقہ اور دولت مند طبقہ، بڑے افسر، بڑے ڈگریوں والے دین کے

تعلق سے تقریباً صفر ہیں، بے حیائی، فحش کاموں، شرکیہ عقائد و اعمال یعنی منکرات میں غیر مسلموں سے بھی آگے نکل گئے ہیں، تقریباً پورا مسلم معاشرہ بے حیائی و بے شرمی میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، جو لوگ کچھ دیندار ہیں وہ مکمل اسلام کی پابندی نہیں کرتے، ان کی نماز ان کا ضمیر ان کو بے حیائی کا احساس نہیں دلاتا۔

جو لوگ دین سے واقف نہیں، نام کے مسلمان ہوتے ہیں وہ نماز ہی نہیں پڑھتے اور جو نماز پڑھتے ہیں قانون کی خانہ پوری کے لئے ادا کرتے ہیں، ان کی بڑی تعداد کو یہ تک معلوم نہیں رہتا کہ سورۂ فاتحہ جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے اس میں کن کن باتوں کا اقرار کیا جا رہا ہے، پوری سورۂ فاتحہ کی سات آیتوں کو پڑھ کر بھی دن رات ان کے خلاف زندگی گذارتے ہیں، کم سے کم سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک کی سورتیں یاد کر لیتے ہیں مگر ایک سورہ کا بھی معنٰی و مطلب نہیں جانتے، نماز میں بار بار اللہ اکبر کہتے ہیں لیکن معنٰی ہی نہیں جانتے، اور نماز کے بعد مسجد سے باہر نکل کر اللہ کی بڑائی میں زندگی نہیں گذارتے، تمام اعمال صالحہ میں سب سے ممتاز اور اعلیٰ عمل نماز ہے، اس کو لاپرواہی اور غفلت سے ادا کرتے ہیں، حالانکہ نماز کے ذریعہ اللہ اکبر کا اقرار کروا کر اللہ کی اطاعت و بندگی میں زندگی گذارنے کو یاد دلایا جا رہا ہے۔

بیشک نماز تمام برائیوں اور منکرات سے روکتی ہے، بشرطیکہ اس کو پورے شعور کے ساتھ ادا کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق لوگ باقاعدہ دِکھاوے کے لئے نماز ادا کرتے تھے، مگر ان کی بے دلی سے اور دکھاوے کے لئے نماز ادا کرنے سے ان کی بداعمالیاں ان سے دور نہ ہوئیں۔

امت مسلمہ کی کثیر تعداد صرف جمعہ، عیدین اور رمضان کی حد تک ہی نمازیں ادا کرتی ہے، اسلام نے پانچ وقت کی نماز کا نظام بنایا، مگر یہ لوگ صرف جمعہ کی نماز کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بھی بے شعوری کے ساتھ اکثر تو فرض ادا کرتے ہی بھاگ جاتے ہیں جیسے قیدی جیل سے چھٹکارہ ملتے ہی بھاگتا ہے، ایسے لوگ فحش و منکرات سے کیسے بچیں گے۔

صحابہ کرامؓ کا معاشرہ ایسا نہیں تھا، وہ حالت جنگ میں' بیماری میں' سفر میں تک برابر نماز پابندی سے پڑھتے تھے، ایمان قبول کرتے ہی ان کی زندگیوں میں اندھیرے' اُجالے کا فرق آجاتا تھا۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں، اُسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی نماز نے اُسے فحش و منکرات سے کہاں تک روک دیا، اگر گناہ کرنے سے وہ رُک گیا تو اس کی نماز قبول ہوگئی۔ (روح المعانی)

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْراً کَثِیْراً o (الاحزاب: ۴۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔

دلوں کو سکون' اللہ کا ذکر کرنے اور اللہ کی یاد قائم کرنے سے ملتا ہے، مگر ہمارے معاشرے میں ذکر بغیر سمجھے' بے شعوری کے ساتھ ہوتا ہے، جن کلمات کا ذکر کیا جاتا ہے ان کا معنٰی و مطلب ہی معلوم نہیں ہوتا، وہ ذکر زبان کی صرف ورزش ہوتی ہے، اس ذکر سے ذکر کرنے والے کی زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، طوطے کی طرح رٹے ہوئے الفاظ ادا کئے جاتے ہیں، لوگ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کی تسبیح پڑھتے ہیں مگر جانتے ہی نہیں کہ ان کلمات کے معنٰی کیا ہیں، ایسے ہی ناواقف لوگ ذکر کرکے شرک بھی کر سکتے ہیں۔

ایک شخص نے ایک طوطے کے بچے کو کلمہ طیبہ رٹا دیا، جب وہ بڑا ہوگیا تو بلی اس کو منہ میں پکڑ کر دیوار پر سے لے جارہی تھی اور وہ طوطا ٹائیں ٹائیں ہی کہہ رہا تھا، وہ شخص چھڑانے سے مجبور تھا، رونے لگا، لوگوں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگا: میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے سالوں سے محنت کرکے اُسے کلمہ طیبہ رٹایا تھا، وہ آخری وقت کلمہ پڑھنے کے بجائے وہی ٹائیں ٹائیں ہی بولتا رہا، میری محنت پوری بیکار ہوگئی، اس کے دل میں جو تھا وہی اس کی زبان سے نکل رہا تھا، کلمہ دل میں نہیں اترا تھا۔

ذکر شعور کے ساتھ کرنے سے انسان کی زندگی میں اللہ کی یاد تازہ ہوکر ایمان مضبوط ہوتا ہے اور زندگی میں بندگی آتی ہے، اللہ کو بھی بندہ کا شعور کے ساتھ ذکر کرنا محبوب ہے۔

نماز کے بعد جتنے بھی اعمال صالحہ ہیں وہ سب اللہ کی رضاء اور حکم کی اطاعت کرنا اور گناہ کو خالص اللہ کی نافرمانی کے تحت چھوڑنا یہ سب اللہ کی یاد کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ جب زمین پر اللہ کا ذکر، عبادت اور قرآن مجید کے دروس ہوتے ہیں تو وہ گھر آسمان والوں یعنی فرشتوں کو ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے انسانوں کو آسمان کے چمکتے ستارے۔

اس تشریح کی روشنی میں اپنی نمازوں کا جائزہ لیجئے

☆ نماز ادا کرنے کے باوجود شرکیہ عقائد و اعمال اور بدعات و خرافات چھوڑنے کی توفیق نہیں مل رہی ہے، تو وہ نماز اس انسان کو منکرات سے نہیں روک رہی ہے۔

☆ اگر عورت میں نماز ادا کرنے کے باوجود بے پردگی' نیم عریانیت' بے حیائی و بے شرمی' غیروں کی نقالی سے نفرت پیدا نہیں ہو رہی ہے، تو اس کی نماز اس کو فائدہ نہیں پہنچا رہی ہے۔

☆ اگر کسی انسان کو نماز ادا کرنے کے بعد مالِ حرام' رشوت' سود' جوڑے کی رقمیں' ناجائز جہیز کا سامان لینے' قرض لیکر ڈبونے' جوا کھیلنے' جائیدادوں پر ناجائز قبضے کرنے' امانت میں خیانت کرنے سے نہ روکے' جھوٹے مقدمے ڈالنے' ناچ گانے کے راستوں سے مال حاصل کرنے' دھوکہ دینے' جھوٹ بول کر مال کمانے' غبن کرنے' جسم فروشی کرنے' حرام چیزوں کی تجارت کرنے سے نفرت پیدا نہیں ہو رہی ہے تو ان کی نماز اُسے فائدہ نہیں پہنچا رہی ہے۔

☆ اگر کسی انسان کو نماز اپنی محنت کی کمائی کو فضول خرچی میں برباد کرنے اور ریا کاری کرنے اور آرکیسٹرا' ناچ گانا اور جاہلانہ رسمیں کرنے سے نہ روکے، نکاح کو آسان اور زنا کو مشکل بنانے کا احساس نہ دلائے تو اس کی نماز اس کو فائدہ نہیں پہنچا رہی ہے۔

☆ اگر کسی انسان کو نماز ادا کرنے کے باوجود اس کی نماز مغربی کلچر سے نفرت دلا کر سنتوں کی طرف راغب نہ کروا رہی ہے اور وہ مغضوب و ضالّین کے راستوں کا شیدائی ہو اور صرف جمعہ کی نماز ہی ادا کرنے پائے' پانچ وقت کی نمازوں کا پابند نہ بنے اور اُسے نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہونے کا احساس نہ دلا رہی ہو تو اس کی نماز اُسے فائدہ نہیں پہنچا رہی ہے۔

☆ جولوگ صحیح طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں، اس کی تاثیر یہ ہے کہ ان کو گناہوں سے نفرت ہوکر گناہ چھوٹنے شروع ہوجاتے ہیں، اللہ کی جانب سے اعمالِ صالحہ کی توفیق ملنا شروع ہوجاتی ہے، جولوگ نماز ادا کرنے کے باوجود گناہ برابر جاری رکھتے ہیں، اس میں نماز کا قصور نہیں، اصل میں ان کی نماز ہی ناقص ہوتی ہے۔

☆ حضرت عمران بن حصینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس کی نماز نے فحش اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں۔ (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی، اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ فحش ومنکر سے باز آجائے۔ (ابن جریرؒ)

☆ بیہقی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جس شخص کی نماز نے اس کو اعمال صالحہ پر عمل نہ کروایا اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کردیتی ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور دن میں چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب اس کی نماز اس کو چوری سے روک دے گی۔ (ابن کثیرؒ)

جولوگ الفاظ کے معنٰی ومطلب جانے بغیر ذکر کرتے ہیں ان کو ثواب تو مل جاتا ہے، زبان سے برکت وثواب کی خاطر ذکر کرلیتے ہیں، اور طوطے کی طرح رٹے ہوئے ہوتے ہیں، وہ ذکر کرنے کے باوجود بے شعور کے بے شعور ہی بنے رہتے ہیں، صفاتِ الٰہی کے ناموں کا ورد بھی معنٰی ومطلب جانے بغیر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ کی معرفت سے خالی ہوتے ہیں، بعض لوگ صبح شام ذکر کے پابند رہتے ہیں مگر گناہ نہیں چھوڑتے، ان کا ذکر دل میں نہیں اُترتا

ہر نفس کو اپنی محنت کا ذائقہ چکھنا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ٥ (الانبیاء:۳۵)

ترجمہ: ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بری بھلی آزمائشوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو دین مان لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مان لیا' اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔

اس آیت میں ایمان والوں کو اور اس کے ساتھ ساتھ ہر انسان کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر موت کے ذریعہ آخرت کی زندگی میں جانے والا ہے، یہ دنیا کی زندگی مختصر ہے، یہاں کوئی بھی ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہ سکتا، اس لئے ایمان والوں کو موت سے نہیں گھبرانا چاہئے اور آخرت کی تیاری کرنا ہوگا۔

اللہ نے انسان کے جسم میں جان کے ساتھ روح کو بھی رکھا ہے، موت کے ساتھ ہی دنیا میں جان بھی ختم ہو جاتی ہے، مگر روح زندہ رہتی ہے، ہر روز نیند میں جان رہتی ہے اور روح چلی جاتی ہے، اور ہر انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم دونوں کو موت کے ذریعہ اپنی دنیا کی زندگی کا ذائقہ چکھنا ہے، موت کے ساتھ ہی زندگی ختم نہیں ہو جاتی، ہر ایک روح کو اپنے اپنے اعمال کا ذائقہ چکھنا ہوگا، اس لئے ایمان والے جسم کو بچانے کی فکر سے زیادہ روح کی حفاظت کی فکر کریں، ایمان سے خالی انسان جسم پر محنت کرتا ہے، ایمان والے جسم کے ساتھ ساتھ روح کی فکر بھی کرتے ہیں، ایمان کو بچا کر جسم ضائع ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، مگر جسم کو بچا کر ایمان ضائع کرنے سے ہمیشہ ہمیشہ کا نقصان ہے، جس کی وجہ سے آخرت میں دنیا کی زندگی کا ذائقہ بدل جائے گا۔

مرنے کے بعد انسان چاہے ایمان والا ہو یا غیر ایمان والا دونوں سے فرشتے تین سوالات کریں گے، مَنْ رَّبُّکَ؟ تیرا رب کون ہے؟ مَا دِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ مَنْ نَبِیُّکَ؟ تیرا نبی کون ہے؟ ان تینوں سوالات کے جوابات صحیح صحیح دینے پر ہی انسان کا آخرت میں عزت دار داخلہ ہوگا، یا غلط جوابات دینے پر دنیا کی زندگی کی بداعمالیوں کا ذائقہ چکھنے کے لئے بے عزتی سے داخلہ ہوگا، ان تینوں سوالوں کی تیاری کرنے سے دنیا میں انسان آخرت والی کامیاب' عزت دار اور سکون و راحت والی زندگی گذار سکتا ہے، چاہے وہ دنیا کے انسانوں کی نگاہ میں کتنا ہی ناکام' کمزور' پریشان حال اور مفلس ہی کیوں نہ ہو، اس کے پاس آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے سب سے بڑی دولت ایمان و اعمالِ صالحہ ہوگی، اسی سے اس کی زندگی عزت دار اور مزے دار ہوگی، اگر وہ ان تینوں سوالات کے صحیح جوابات نہ دئے تو ذلت کے ساتھ آخرت کی زندگی میں داخل ہوگا۔

زندہ انسان کو چاہئے کہ وہ کسی کی موت کے ساتھ ہی جسم کے فناء ہوجانے کو دیکھ کر آخرت والی زندگی سے غافل نہ ہوجائے، ہر انسان کی موت اس کے لئے عبرت و نصیحت ہے، روح کو آخرت میں اپنی دنیا کی زندگی کا پورا پورا حساب دینا ہے، اس لئے فرشتے انسان کے مرتے ہی آخرت میں داخلے کے وقت سب سے پہلے انسان کی جانچ کریں گے، کہ اس نے رب کس کو مانا ہے؟ اور کس دین پر عمل کیا ہے اور کس کو پیغمبر مان کر زندگی گذاری ہے۔

بیان کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے فرمایا کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کُلُّ نَفْسٍ لَذَّةُ الْمَوْتِ، ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا، انسان چاہے کسی مذہب' فرقہ' ملک اور خاندان کا کیوں نہ ہو اس کو اپنی زندگی جو دنیا کی اس امتحان گاہ میں کس طرح گذاری ہے جواب دینا ہے، دنیا کی مختصر زندگی ختم ہوتے ہی دنیا چھوڑ کر موت کے ساتھ ہی اس کو اپنی زندگی کا آخرت میں ذائقہ چکھنا ہے۔

انسان عام طور پر کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد دو لفظ استعمال کرتا ہے یا تو لذت یا پھر ذائقہ، یہ دونوں اپنے اپنے مفہوم اور معنیٰ کے اعتبار سے الگ الگ حالت اور کیفیت کو

ظاہر کرتے ہیں، جس کو ہم آسانی سے غذاء میں سمجھ سکتے ہیں، جنت کی نعمتوں کے لئے لذت کا لفظ استعمال ہوا ہے، سورۃ صٰفّٰت، آیت نمبر:۴۶ میں ہے: بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ o

''(وہ شراب) جو سفید رنگ کی ہوگی، پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جو دین زندگی کا ضابطہ اور قانون نازل کیا وہ لذتوں اور عزتوں سے بھرپور ہے، ہر عمل کے ہر حکم پر اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی گذارنے سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت' سکون' اطمینان' لذت اور راحت حاصل ہوسکتی ہے، اس کے برخلاف زندگی نافرمانی کے ساتھ گذارنے یا اس کا انکار کر کے زندگی گذارنے سے انسان دنیا و آخرت کی زندگی کا ذائقہ خراب کر لیتا ہے، ذائقہ بدل جاتا ہے۔

اس لئے لذت ایک الگ چیز ہے اور ذائقہ ایک الگ چیز ہے، جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کی شکل میں دی جاتی ہے وہ لذت' سکون' راحت اور عزت والی ہوتی ہے، اور جس چیز میں انسان اپنی عقل یا نفس کی خواہش یا شیطان کی گمراہی قبول کر کے عمل اختیار کرتا ہے اس میں زندگی کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور وہ بدمزہ اور خراب' نقصان دہ اور بُرا ہو جاتا ہے۔

مثلاً اگر آپ گھر میں بھوک مٹانے کے لئے اپنی غذاء تیار کریں اور پھر اپنی چاہت سے مزہ بڑھانے کے لئے نمک' مرچ اور مسالے زیادہ ڈالیں یا شکر کم ڈالیں یا زیادہ دیر تک چولہے پر پکائیں تو غذاء کھانے کے قابل نہیں رہتی، یا تو بدمزہ ہو جائے گی، یا کھاری ہو جائے گی، یا پھیکی ہو جائے گی، یا وٹامن اور پروٹین جل جائیں گے، اس کا ذائقہ خراب ہو جائے گا، یا پھر بغیر پکی ہوئی غذاء یا غذاء کی جگہ چاول' گیہوں کے دانے یا پتے کھالیں تو ہاضمہ خراب ہو جائے گا، یا خنزیر' کتا' سانپ' چوہا وغیرہ کھالیں تو صحت خراب ہو جائے گی، اللہ نے انسان کی فطرت اور معدے کے مطابق جو غذائیں حلال رکھا ہے اس کو جس ضابطے و طریقے سے حلال کر کے پکانے اور جس انداز سے کھانے کا طریقہ رکھا ہے اسی طرح پکائیں گے تو ذائقہ لذیذ اور مزے دار ہوگا اور آپ صحت مند رہ سکیں گے۔

اس کو ایک دوسرے مثال سے سمجھئے، اللہ تعالیٰ انگور کو لذیذ اور مزے دار پھل بنا کر

پیدا کرتا ہے، منقّٰی بنانے کے لئے کالا انگور پیدا کرتا ہے، گیہوں کو غذاء بنا کر بھوک مٹانے اور طاقت عطا کرنے کے لئے پیدا کیا، انسان گیہوں کے آٹے سے روٹی بنانے کے بجائے اور منقّٰی انگور سے کشمش بنانے کے بجائے اپنے نفس کی خواہش پر شیطان کے بہکاوے میں طاقت' لذت' مزہ اور بھوک و پیاس بجھانے کے بجائے نشہ کرنے' مستی کرنے کے لئے شراب بنالے تو ان پھلوں کا مقصد اور ذائقہ ہی پوری طرح بدل جاتا ہے، ان کی لذت' مزہ اور مٹھاس پوری طرح ختم ہوجاتی ہے، اور کیفیت و خاصیت بدل جاتی ہے، ان کے پروٹین اور وٹامن ختم ہوکر فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچاتے ہیں، پھر شراب کے استعمال کے بعد انسان کی عقل اور ہوش و حواس بہک جاتے ہیں، وہ قابو میں نہیں رہتا، اس کی رفتار و گفتار بدل جاتی ہے، معدہ جل جاتا ہے، صحت خراب ہوجاتی ہے اور روح بیمار ہوجاتی ہے، پھر حالت نشہ میں زبان سے گالی دیتا ہے اور بکواس کرتا ہے، اللہ کی عبادت اور ذکر وغیرہ بھی نہیں کرسکتا، ہر غیر عورت کو بیوی سمجھتا ہے۔

ان مثالوں کو ذہن میں رکھ کر یہ بات سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان گاہ بنا کر انسانوں کو زندگی گذارنے کے لئے وحی الٰہی کے ذریعہ فطری ضابطہ اور قانون نازل کیا، اگر انسان اپنی زندگی کے ہر عمل کو اسی ضابطہ اور قانون کے مطابق ادا کرے تو اس کی زندگی دنیا میں بھی مزے دار اور لذت والی بنے گی اور مرنے کے بعد وہ دنیا کی زندگی سے کامیاب جائے گا اور جنت میں زندگی کا مزہ اور لذت حاصل کرے گا، یہ اور بات ہے کہ لذت میں کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے، اس لئے کہ ہر جنتی کو اس کے اعمال صالحہ اور مجاہدے کے لحاظ سے درجات ملیں گے۔

اگر انسان وحی الٰہی کو نہ مان کر نفس کی خواہش پر یا شیطان کے بہکاوے میں آکر زندگی گذارے یا وحی الٰہی کی بغاوت میں زندگی گذارے تو اس کی زندگی کا ذائقہ دنیا میں بھی خراب ہوجائے گا اور مرنے کے بعد بھی جہنم میں اس کو اپنی زندگی کے خراب ذائقہ کو چکھنا پڑے گا جو بدمزہ' کڑوا' کسالا' کیڑوں' کانٹوں سے بھرا ہوگا، وہ دنیا میں جب رب چاہی زندگی چھوڑ کر من چاہی زندگی گذارے گا تو اس کی روح ہر عمل کرتے وقت بیمار ہی رہے گی۔

اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ تعلیم دی ہے کہ انسان کو کسی کی موت کے وقت شریک ہو کر کفن، دفن کے انتظامات کرے اور اپنے لئے بھی موت کی یاد زندہ کرنے اور عام قبرستان کی زیارت کرنے کی تعلیم دی ہے، تاکہ انسان کو کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے ذریعہ موت کے بعد دنیا کی زندگی کا ذائقہ چکھنے کی یاد زندہ رکھے، وہ ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھ کر اگر وہ دنیا میں رب چاہی زندگی گذارے تو اس کو مرنے کے بعد من چاہی زندگی ملے گی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان گاہ بنا کر اپنی زندگی کے اعمال کو لذت دار بنا لینے یا بدمزہ بنا کر ذائقہ خراب کر لینے کا اختیار و آزادی دی ہے تاکہ اس کے ایمان و اعمال کے ذریعہ دنیا میں امتحان لیا جائے۔

دین و اسلام تمام کا تمام لذتوں سے بھرا ہوا دین ہے، انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم وہ اپنی زندگی کو آخرت میں دین و اسلام کو مان کر یا انکار کر کے اچھی یا بری بنانے کی محنت کرے، اسی لئے فرمایا گیا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَo

بعض قبروں پر لوگ تبرک کے طور پر یہ آیت پتھر پر کندہ کر کے رسم کے طور پر لگاتے ہیں، پڑھنے والا بھی اس کا شعور حاصل نہیں کرتا، تبرکاً پڑھ لیتا ہے، خود لگانے والے کو اور پڑھنے والے کو اس کا شعور نہیں آتا، گویا اس کے ذریعہ زندہ انسانوں کو یہ احساس پیدا کرنا چاہئے اور ہر قوم کے قبرستان سے گذرتے ہوئے یہ خیال کرنا چاہئے کہ جو انسان اس قبر میں دفن کیا گیا ہے یا جلا دیا گیا ہے، وہ موت کے بعد اپنی زندگی کا اچھا یا بُرا ذائقہ چکھ رہا ہے، کہ اس نے دنیا کی زندگی اللہ کی اطاعت میں گذاری یا بغاوت میں گذاری۔

اس سے پہلا سوال پوچھا جائے گا مَنْ رَبُّکَ ؟ تیرا رب کون ہے؟ اگر وہ دنیا میں اللہ ہی کو اپنا مالک، مربّی، پروردگار، تربیت کرنے والا اور کفیل مانتا تھا، اللہ کے علاوہ کسی مخلوق کی عبادت نہیں کرتا تھا اور نہ مخلوقات سے اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مانگتا تھا، نمک کی

ڈلی اور جوتے کا تسمہ بھی اللہ ہی سے مانگتا تھا، تو فوراً جواب دے گا کہ میرا رب اللہ ہے۔

اس کے برعکس اگر اس نے وحی الٰہی کے خلاف زندگی گذاری ہے، یا پیغمبر کی نافرمانی میں اللہ کو مانتے ہوئے مخلوقات کی بھی عبادت کی اور مخلوقات سے حاجتیں اور ضرورتیں مانگتا تھا، یا بے شعوری کے ساتھ اللہ کو مان کر اللہ کی پہچان نہ رکھ کر زندگی گذاری' تو جو چیز ذہن و دماغ پر چھائی ہوئی رہے گی اسی کا نام لے گا، یا کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں، وہ اگر شرک' کفر' منافقت اور فسق و فجور میں رہا تو ان کا ذائقہ کڑوا' بدمزہ اور بربادی کی شکل میں چکھے گا۔

اس سے دوسرا سوال جب کیا جائے گا: مَا دِیُنُکَ ؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ اگر صحابہؓ جیسے صحیح عقیدہ کے ساتھ، نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اور دیگر احکامات کی پابندی کرتے ہوئے، شراب' زنا' سود' جوا' چوری اور قتل و غارت گری اور ان جیسی برائیوں کو گناہ اور حرام سمجھتا تھا، بے پردگی' حرام رزق' فضول خرچی' دھوکہ' فریب وغیرہ سے نفرت کرتے ہوئے ان اعمال کو اللہ کی نافرمانی تصور کر کے غیر اسلامی سمجھتا تھا، یعنی ہر اعتبار سے صحیح ایمان و اعمالِ صالحہ اور تقویٰ والی زندگی گذارتا تھا تو فوراً کہے گا کہ میرا دین اسلام ہے۔

اس کے برعکس اگر وہ دنیا کی چمک دمک اور گمراہ انسانوں کے بہکاوے میں نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ احکام چھوڑ کر' اعمالِ صالحہ کے بجائے' شراب' زنا' سود' چوری' ظلم و ستم' حق تلفی' خیانت اور دھوکہ و فریب جیسے اعمالِ رذیلہ کو پسند کر کے ان کو گناہ کبیرہ نہ سمجھتے ہوئے زندگی گذارتا تھا، اسلام کی پرواہ نہیں کرتا تھا، نماز سے دور رہ کر اللہ کے احکام کو بھول کر' دین سے غافل رہتا تھا، توحید کے ساتھ شرک میں بھی مبتلا رہ کر بدعات و خرافات اور بے دین رسومات کے ذریعہ دین کی شکل بگاڑ دیا کرتا تھا، تو اس کو دین اسلام یاد نہیں آسکتا، یا تو وہ دنیا کے باطل مذاہب کا نام لے گا یا کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم۔

تیسرے سوال مَنُ نَبِیُّکَ؟ تیرا نبی کون ہے؟ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھ کر سچی محبت کے ساتھ آپ کی اتباع ہی میں کامیابی تصور کرتا تھا، اور زندگی کے ہر

کام میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اللہ کی اطاعت سمجھتا تھا اور آپ ؐ کے بعد کسی اور کو نبی نہیں مانتا تھا' تو وہ فوراً کہے گا کہ میرے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اس کے بجائے اگر وہ نبی کا انکار کر کے اپنے گمراہ رہنماؤں اور پیشواؤں کی اندھی تقلید کر کے زندگی گذارتا تھا یا پچھلے پیغمبروں کو تو مانا یا محمد ﷺ کو آخری نبی نہیں مانا، لیکن مغضوب اور ضالین کے کلچر کو پسند کیا اور زندگی کے اکثر کاموں میں جان بوجھ کر سنت کے خلاف چلا تو اس کو اس سوال کا جواب یاد نہیں آسکتا یا پچھلے پیغمبروں یا پیشواؤں کا نام لے گا۔

اس لئے اگر انسان دنیا میں اللہ پر ایمان لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مان کر اسلام ہی کو سچا دین جان کر زندگی گذارے تو اس کا نفس' نفس مطمئنہ بن جاتا ہے، اور ان تینوں سوالات کے جوابات اس کے دماغ پر چھائے ہوئے رہتے ہیں اور دل و دماغ میں جو چیز چھائی رہے گی، آدمی اس کا اظہار فوراً زبان سے کرے گا، اس لئے جو لوگ دنیا کی زندگی میں حزب الشیطان یعنی شیطان کی جماعت میں رہ کر زندگی گذاریں گے وہ دنیا ہی سے اپنی زندگی کا ذائقہ خراب کر لیتے ہیں، اور موت کے بعد وہ اپنی زندگی کا ذائقہ چکھتے ہیں۔

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہر نفس کو موت کا مزہ یعنی لذت حاصل کرنا ہے بلکہ ہر نفس کو موت کے بعد اپنی اپنی زندگی کا ذائقہ چکھنا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا' آخرت کی کھیتی ہے، جو چیز یہاں بوئیں گے وہی چیز وہاں کاٹیں گے، چنانچہ عقلمندی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دنیا کی زندگی میں اپنے نفس کو اللہ کی عبدیت و بندگی والے ذائقہ کا عادی بنائے۔

اس آیت میں بڑی گہری بات پیش کی گئی ہے، عقلمندوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے، جو لوگ عقلمند ہوتے ہیں وہ اس آیت کا ادراک حاصل کر کے گناہوں کی لذت کے ذائقہ سے دور رہ کر اطاعت و نیکی کے ذائقہ کے عادی بنے رہتے ہیں، دنیا کی زندگی میں کیکر اور ببول کے بیج لگاؤ گے تو انہی درختوں کے پھل آخرت میں ملیں گے، یہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں برائی اور گناہ میں زندگی گذار کر آخرت میں کامیابی' عزت اور جنت پا سکو، بلکہ

کیکر اور ببول تو جہنم کے درخت ہیں، وہی ٹھکانہ ملے گا، اور اگر دنیا میں نیکی کے پودے لگاؤ گے تو آخرت میں ان کے پھل جنت میں حاصل کرو گے۔

اپنی زندگی کا اچھا یا بُرا ذائقہ بنانا انسان کے اختیار میں رکھ دیا گیا، جب انسان موت کے حوالے ہو جاتا ہے تو دنیا کی دولت' بنگلے' سامان' عزت' عہدہ و کرسی سب یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے، قبر بند ہو جانے' یا جلا دئے جانے کے بعد اس کی روح اپنے ساتھ اس کا ایمان اور اعمال لے کر چلی جاتی ہے، اس لئے باقی اور آخرت میں ساتھ آنے والی جو چیز ہے وہ انسان کا صحیح یا غلط عقیدہ اور اچھا یا بُرا عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے تین دوست ہوتے ہیں، ایک مرتے ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، وہ اس کا مال و جائیداد اور عہدہ و کرسی ہے، جس کے فوراً دوسرے مالک بن جاتے ہیں، دوسرے اس کے رشتہ دار اور دوست احباب ہیں، جو صرف قبر تک ساتھ آتے ہیں، اور قبر میں دفن اور بند کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ تیسرا دوست اس کا عمل ہے، اور یہی عمل اس کے ساتھ آخرت تک جاتا ہے، اس لئے تم تیسرے کو دوست بناؤ۔

اس حدیث کی روشنی میں انسان ہر مرنے والے کو دیکھ کر عبرت نصیحت حاصل کرے کہ دنیا اس کے لئے امتحان گاہ ہے، اس امتحان گاہ میں صحیح یا غلط اعمال کرنے کی اختیار و آزادی دی گئی ہے اس دنیا میں جنت والے مزے حاصل کرنے کا راستہ پسند کرنے یا دوزخ کے کڑوے اعمال کا ذائقہ والا راستہ پسند کرنے کا اختیار انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے، عقلمند انسان دنیا میں نیکی کے پودے لگا کر آخرت میں مزے دار پھل حاصل کر سکتا ہے، بیوقوف آدمی دنیا میں بدبودار کیڑے والے گندگی میں لت پت سڑے پھل والے کچرے کے اعمال اختیار کرتا رہے اور گناہ والے اعمال میں ظاہری چمک دمک وقتی مزہ اور لیبل دیکھ کر شیطان کی گمراہی میں دھوکہ کھاتا رہے اور ان کا شیدائی بنا رہے تو اپنی آخرت کا ذائقہ خراب کر لیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی سے ملنے والا سبق

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ٥ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ٥ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ٥ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ٥ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ٥ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ٥ وَلَقَد تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ٥ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ٥ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ٥ (القمر: ۹تا۱۷)

ترجمہ: ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے بھی جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا تھا، انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ دیوانے ہیں، اور انہیں دھمکیاں دی گئیں۔ اس پر انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ ’’میں بے بس ہو چکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجئے۔‘‘ چنانچہ ہم نے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دئے۔ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا، اور اس طرح (دونوں قسم کا) سارا پانی اس کام کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ اور نوحؑ کو ہم نے ایک تختیوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔ جو ہماری نگرانی میں رواں دواں تھی، تا کہ اس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کو (عبرت کی) ایک نشانی بنا دیا، تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا، حضرت نوحؑ کی بعثت سے پہلے تمام قوم اللہ کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے

بالکل دور اندھیرے میں زندگی گذار رہی تھی، اور شرک و بت پرستی میں گرفتار تھی، حضرت نوحؑ نے اپنی قوم پر ساڑھے نو سو سال تک دعوت و تبلیغ کا کام کیا، ان کی قوم کے دولت مندوں اور سرداروں نے ان کو حقیر جانا، بے عزتی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا، وہ کہتے تھے کہ جس شخص کو ہم پر دولت و ثروت میں برتری نہیں، نہ وہ ہم میں رتبہ میں بلند ہے، اس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے؟ ہمیں نصیحت کرے، ہم اس کی باتوں کی تعمیل کیوں کریں؟

ہمارے غریب کم عقل لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، حقارت سے کہتے تھے کہ کیا ہم ان کے ساتھ تمہارے پاس بیٹھیں؟ وہ لوگ تمہاری اندھی تقلید کر رہے ہیں، ان غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تب ہم تمہاری بات سنیں گے، کیونکہ ہم کو ان سے گھن اور نفرت ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اور ہم ایک ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، حضرت نوح علیہ السلام نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اللہ کے مخلص بندے ہیں، میں ان کو نہیں ہٹا سکتا، ورنہ عذاب میں دھر لیا جاؤں گا، امیر و غریب کا اللہ کے پاس کوئی فرق نہیں، وہ اپنے اخلاص والے بندوں کو پسند کرتا ہے، مجھے تمہارے مال و دولت کی ضرورت نہیں، میرا اجر اللہ دے گا، غرض بہت سمجھایا، جتنی محنت ان پر کرتے گے اتنا ہی وہ لوگ انکار کرتے چلے گئے، بغض اور دشمنی میں اضافہ ہوتا گیا، آخر میں سورۂ ھود میں ارشاد ہے: ''وہ کہنے لگے کہ اے نوح! تم نے ہم سے بہت جھگڑا کیا، اب اس کو ختم کرو، اور جو تم نے ہم سے عذابِ الٰہی کا وعدہ کیا ہے وہ لے آؤ۔''

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا، مگر میری پکار نے ان کے فرار میں اضافہ کیا، جب بھی میں ان کو دعوت دیتا تا کہ تُو انہیں معاف کر دے، انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لئے اور اپنی روش پر اڑ گئے، اور بڑا تکبر کیا، پھر میں نے ان کو اور زیادہ کھل کر دعوت پیش کی، پھر میں نے کھلم کھلا بھی تبلیغ کی، اکیلے میں چپکے چپکے بھی سمجھایا اور میں نے کہا: اپنے رب سے معاف مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لئے باغات

پیدا کرے گا، اور نہریں جاری کرے گا، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لئے تم وقار اور عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے کیا دیکھتے نہیں ہو، پھر آخر میں کہا کہ میرے رب انہوں نے میری بات رد کر دی، بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔

اے پروردگار! تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ، اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء قبول فرمائی اور طوفان سے بچنے کے لئے دنیا' دارالاسباب ہونے کے ناطے ایک کشتی بتانے کا حکم دیا اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اور نوح پر ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر لینے کو کہا، کفار نے ہنسی اور مذاق بنانا شروع کر دیا، جب بھی وہاں سے گذرتے تو کہتے کہ خوب ہم غرق ہونے لگیں گے، تب تو اور تیرے ساتھی اس کشتی میں محفوظ رہ کر بچ جائیں گے، کیسا احمقانہ خیال ہے تمہارا، حضرت نوحؑ بھی ان کو اسی طرح سے جواب دیتے تھے۔

اس طرح مذاق بنالیا کہ زمین پر سے پانی میں کشتی کیسے لے جاؤ گے، ان کو دیوانہ سمجھے، اور جب کشتی تیار ہوگئی تو توہین کرنے ہر روز آہستہ آہستہ اس میں غلاظت کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ کشتی بول و براز سے بھر گئی، ان میں ایک خارش کے پھوڑوں کی بیمار پیدا ہوئی، اور ایک دن ان میں کا ایک آدمی اس غلاظت میں گرا اور باہر نکلنے کے بعد اپنے جسم کو صاف پانی سے دھویا، اس پر اس کے جسم کے پھوڑا پھونسی سب صاف ہو کر خارش ختم ہوگئی، یہ دیکھ کر پوری قوم بکیٹوں میں بھر بھر کر کشتی سے غلاظت لے جا کر اپنے اور اپنے اہل وعیال پر لگا کر ملنے لگی یہاں تک کہ آخر میں کشتی کے اندر کی پوری غلاظت ختم ہوگئی، تو پھر کھرچ کھرچ کر غلاظت نکالی اور کشی کو صاف کر دیا۔

جب انسان اللہ کے منصوبے کے خلاف ایسی حرکتیں کرتا ہے تو اُسے ایسا ہی اس کے کاموں سے اس کو ذلت اور گندگی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، فرعون کی قوم پر خون کا عذاب آیا،

ہر چیز جو بھی وہ کھاتے' خون بن جاتی تھی، مگر وہی غذاء بنی اسرائیل پیٹ بھر کے کھاتے، کچھ نہیں ہوتا، آخر کار وہ اپنے بنی اسرائیل کے نوکروں' خادموں سے کہا کہ تم کھا کر ہمارے منہ میں ڈالو، وہ لیٹ جاتے اور نوکران کی غذاء کھا کر ان کے منہ میں چبا کر ڈالتے تھے۔

ویسے دنیا میں انسانوں کو ان کے گناہوں اور نافرمانیوں پر جو سزا عذاب کے طور پر ملتی ہے، وہ آخرت کے اعتبار سے ہلکی اور معمولی ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر اطاعت کی جزاء اور ہر گناہ کی سزا تو مکمل آخرت ہی میں ملے گی، عقلمند انسان مختلف تکالیف مصیبتوں اور سزاؤں سے عبرت حاصل کر کے درست ہو جاتا، اپنی بغاوت و نافرمانی سے توبہ کر لیتا ہے، بیوقوف ہر قسم کے خراب حالات میں بھی سدھرتا نہیں، باغی کا باغی ہی بنا رہتا ہے، جب عذاب شروع ہوا تو زمین سے پانی ابلنے لگا اور آسمان کے دہانے کھول دئے گئے اور پوری قوم ڈوب گئی۔ اس واقعہ میں خاص طور پر یہ بھی انسانوں کو سمجھایا گیا کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا اللہ کا نافرمان بنا، باپ پیغمبر ہونے کے باوجود اس کو عذاب سے بچا نہ سکے۔

غیر مسلم کے سامنے صرف بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرنے سے وہ حق کو سمجھ نہیں سکتے

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اسلام عمدہ اخلاق کا مظاہر کرنے سے پھیلتا ہے اس لئے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ دعوت کا کام کرتے ہیں، ان کا یہ قول ہوتا ہے کہ **وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ o** (حم السجدہ:۳۳) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

وہ اللہ کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں اور اعمال صالحہ سے آراستہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا تعارف کروائے بغیر توحید سمجھائے بغیر اگر اعمال صالحہ کے ساتھ غیر مسلم معاشرے میں رہیں تو غیر مسلم مسلمانوں کے صرف اخلاق حسنہ دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے۔

موجودہ زمانہ میں اخبارات، رسالوں، ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائیل پر مسلمانوں کے نماز پڑھنے اور حج کرنے کے مناظر غیر مسلم رات دن دیکھتے رہتے ہیں۔

بہت سے غیر مسلم، مسلمانوں کے ملکوں میں رہتے نوکریاں کرتے یا اللہ نے دنیا کا ماحول بھی ایسا بنایا کہ بہت سارے ملکوں میں مسلم اور غیر مسلم خلط ملط ہو کر رہتے ہیں، دوستی اور پڑوسی میں رہتے ہیں، دفتروں، کمپنیوں میں ایک ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، مسلمان کو غیر مسلم نماز، روزوں اور حج کا اہتمام کرتے ہوئے رات دن دیکھتے ہیں، مسلم محلوں میں مسلم عورتیں جو مکمل اسلامی پردہ کرتی ہیں، ان کی چلت پھرت کو بھی دیکھتے رہتے ہیں، اکثر لڑکیوں کے اسکول اور کالجوں میں مسلم اور غیر مسلم لڑکیاں مل کر تعلیم حاصل کرتی ہیں، ایک دوسرے کی سہیلیاں رہتی ہیں، غیر ممالک میں اکثر مسلم غیر مسلم ایک ہی کمرے میں مل کر کرایے سے رہتے ہیں، رات دن غیر مسلم مسلمانوں سے قریب رہتے ہیں، ان کو شراب، زنا اور ناچ گانے سے دور دیکھتے بھی رہتے ہیں، بہت سے مسلم محلوں میں غیر مسلم عورتیں اپنے بچوں کو مسجد کے پاس نماز پڑھنے والوں سے دعائیں پڑھوا کر دم کروانے کے لئے لے کر کھڑی رہتی ہیں، ان سب حالات میں بہت کم فائدہ ہوتا ہے، سو میں دو چار آدمی مسلمانوں کے ان اعمال پر غور کر کے ایمان قبول کرتے ہیں، مگر اکثریت غیر مسلموں کی نظر میں مسلمانوں کے ان اعمال حسنہ کو دیکھ کر ان کو روحانی اعتبار سے مذہبی اور متقی سمجھتے ہیں، جیسے مدینہ کے مشرک یا مشرکینِ مکہ یہود کو مذہبی لوگ سمجھتے تھے، مگر کبھی یہود کے دین کو سچا نہیں سمجھا اور نہ قبول کیا، اسی لئے مسلمان اگر غیر مسلموں کے ساتھ رہیں تو اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ اللہ کا تعارف اور پہچان کروا کر توحید کی تعلیم کو سمجھاتے رہیں، بہت سے غیر مسلم مصیبت اور پریشانیوں میں مسلمانوں سے جھاڑ پھونک تو ضرور کرواتے، مگر اپنے باطل عقیدہ سے توبہ نہیں کرتے، بہت سے غیر مسلم قرآن کا ادب کرتے ہیں، مسجد کا ادب کرتے ہیں، امام اور متقی مسلمانوں کو بھگوان یا دیوڈو کہتے ہیں، پیر پڑتے ہیں، ان کے پیروں کے نیچے کی مٹی گھروں میں لے جا کر برکت کے لئے ڈالتے ہیں، درگاہوں پر منت مانگتے ہیں، عرس میں

پابندی سے شریک ہونا ضروری سمجھتے ہیں، مگر باطل عقیدہ پر ہی قائم رہتے ہیں، کبھی کسی بزرگ کی تعلیمات پر غور نہیں کرتے، بیمار کو بیماری کا احساس دلانے، توجہ دلانے سے وہ صحت مند بننے کی فکر کرے گا، علاج کروانے کی فکر کرے گا، کوئی ڈاکٹر کسی مریض کے سامنے ڈاکٹر کا لباس اور آلہ ڈال کر پھرتا رہے اور ڈاکٹر کی کرسی پر بیٹھا رہے اور مریضوں کا علاج نہ کرے صحت مند بنانے کی مختلف دوائیں دیتا نہ رہے، یا ڈاکٹر خود مریضوں جیسے اعمال اختیار کرے، مریض خود بخود صحت مند نہیں ہوتا، بہت زمانے سے مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہم اچھے اعمال کے ساتھ غیر مسلموں کے سامنے گھومتے رہیں گے تو وہ ہمارے اعمال کو دیکھ کر متاثر ہو کر دعوت ہو جائے گی اور وہ ایمان قبول کرلیں گے، یہ خیال صحیح نہیں ہے، ہم سے زیادہ بناوٹی اخلاق انگریز پیش کر رہے ہیں، زلزلے، طوفان میں مدد کرتے ہیں، قحط میں مدد کرتے ہیں، نرمی اخلاق سے بات کرتے ہیں، ہمدردی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو چن کر اپنا نبی اور پیغمبر بناتا ہے، اس کے اخلاق کو اس کے معاشرے میں سب سے اعلیٰ اور بلند رکھتا ہے، تو نمونہ اور مثال کے لئے پیغمبر کے اخلاق سے بلند کسی کے اخلاق نہیں ہوتے، اللہ نے جتنے پیغمبر دنیا میں بھیجے سب کے اخلاق بچپن ہی سے سب سے اعلیٰ وعمدہ رکھا، قوم ان کے اخلاق سے واقف بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو جب اپنا پیغمبر بنایا تو باوجود وہ دولت مند نہیں تھے، سردار قوم نہیں تھے، مقام ومرتبہ والے نہیں تھے، لوگوں کی نظروں میں معمولی کام کرتے تھے، مگر ان کے اخلاق ساری قوم میں سب سے بلند اور اعلیٰ رکھا ہوگا، جن کے اخلاق کا ان کے بڑے بڑے سردار اور دولت مند یا پڑھے لکھے لوگ بھی مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتے تھے، وہ ساڑھے نو سو سالوں تک ان ہی اخلاق کے ساتھ اپنی قوم میں دعوت دین دیتے رہے، بتوں کی پرستش سے منع کر کے اللہ واحد کی طرف اور اکیلے اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اگر وہ صرف عمدہ اخلاق رکھ کر اپنی زندگی گذارتے تو سب لوگ ان کی تعریف کرتے تھے، اچھا انسان مانتے تھے، ادب واحترام کرتے تھے، مگر انہوں نے نبی

بنتے ہی اپنے معاشرے کی گمراہی کے خلاف شرک سے منع کیا، عقل استعمال کرنے کی دعوت دی، اور خالص اللہ کی عبدیت و بندگی کی دعوت دی تو قوم کے لوگ ان کے اخلاق کی پرواہ نہ کرکے ان کے دشمن بن گئے، ان کی دعوت پر صرف غریب کمزور لوگ خادم خدمت گذار لوگ ایمان لائے اور پورے معاشرے میں ساڑھے نوسو برس کی دعوت پر پندرہ بیس لوگ ہی ایمان لائے۔

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چالیس سالوں تک مشرکین کے درمیان سب سے اونچے اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ رکھا، قوم آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہوکر صادق وامین کے لقب سے پکارتی تھی، اور آپ کے اخلاق کا مقابلہ قوم کا کوئی دوسرا آدمی نہیں کرسکتا تھا، لوگ آپ کو کریم ابن کریم، رحیم ابن رحیم کہتے تھے، اور آپ کو سچا امانت دار سمجھ کر بھروسہ کرتے تھے، اپنی امانتیں لاکر آپ کے پاس رکھتے تھے، اور آپ کی عزت کرتے تھے، آپ غریبوں کی مدد کرتے، مسافروں کو سہارا دیتے، سچ بولتے، قرض داروں کی مدد کرتے، امانت دار تاجر تھے، بیماروں کی عیادت کرتے، کمزوروں کا سہارا بنتے، شراب' زنا' سود' جوا' ناچ گانے باجے سے دور رہے، بتوں کی پرستش سے دور رہے۔

مگر آپ کے سب سے اعلیٰ اخلاق ہونے کے باوجود جب آپ نبوت ملتے ہی اللہ کا تعارف کروانا شروع کیا، اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرکے ایک اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دی، بتوں کی پوجا کو جہالت کہا تو وہی لوگ جو آپ کی تعریف کرتے، آپ کو سب سے اچھا سمجھتے' دشمن بن گئے۔

آپ کی قوم وطن کے لوگ جو باپ دادا کی اندھی تقلید میں اللہ کو مانتے ہوئے بتوں کو بھی مانتی تھی، بیت اللہ کا نام بیت اللہ کہتی، بت کدہ نہیں کہتی، اکیلے اللہ کو ماننے کی دعوت کو ماننے سے انکار کردیا، اور نہ صرف آپ کو بلکہ آپ پر ایمان لانے والوں کو بھی مارا پیٹا، قتل بھی کیا اور آپ کو جھوٹا، جادوگر کہہ کر قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے، حالانکہ اگر اخلاق کا اثر ہوتا تو وہ جب زندگی کے کاروبار میں سچا اور امانت دار مانتے تھے، تو آپ کے اخلاق سے

متاثر ہوکر آپ کے ایمان کی دعوت کو بھی فوراً قبول کر لینا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔

دراصل ایمان کے قبول کرنے اور اسلام کو اختیا کرنے میں اخلاق سے زیادہ عقائد کا بہت بڑا دخل ہے، اس سے انسان کے نسل در نسل باپ دادا کی اندھی تقلید پر فکر وخیالات کے گمراہ ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور صحیح عقیدہ ایمان سے انسان کے باطل عقیدہ پر زبردست ضرب پڑتی ہے اور باطل عقیدہ کی پوری عمارت ڈھیر ہو جاتی ہے، اس لئے انسان اپنی اَنا یعنی اِیگو کی روش کو بدلنا نہیں چاہتا، جو اس کو اس کے باطل عقیدہ کے بالکل خلاف نظر آتی ہے، اس کا عمل اس کو بیوقوفی نظر آتا، اور وہ بیوقوف کہلانا نہیں چاہتا وہ اندھوں کے ساتھ اندھا ہی رہنا چاہتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ اُسے کوئی آنکھیں کھولنے والا اور صحیح راستہ بتانے والا ہو، اس لئے وہ آنکھ والے کو بھی اندھا بنانے مخالفت کرتا اور اس کا دشمن بن جاتا ہے اور اس کو بھی اندھا بنانے کے لئے ظلم طاقت استعمال کرتا ہے۔

اخلاق سے انسان سامنے والے کے دل تو جیت سکتا ہے، لوگوں کو اپنے قریب کرسکتا ہے، لوگوں میں اپنی سچائی و دیانت داری کا بھروسہ و اعتماد تو پیدا کرسکتا ہے، مگر انسانوں کے فکر وخیال اور اندھی تقلید کو نہیں بدل سکتا۔

اگر واقعی اخلاق کا اثر انسانوں پر پڑسکتا تھا تو پھر حضرت نوحؑ کے 950 سال محنت کرنے کے باوجود صرف ۱۵ یا ۲۰ افراد ہی نے کیوں اسلام قبول کیا، ساری قوم دشمن کیوں بنی رہی؟ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک انتہائی اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مکہ میں مشرکین کے درمیان رہے، مگر نبوت ملنے کے بعد ۱۳/سال مکہ میں محنت کرنے کے باوجود ۸۰، ۸۵ افراد نے ہی اسلام کیوں قبول کیا؟ جبکہ مدینہ کے لوگ آپ کو دیکھے بھی نہیں تھے، نہ آپ کے اخلاق سے واقف تھے، صرف مصعب بن عمیرؓ کی دعوتِ ایمان پر بہت بڑی تعداد نے ایمان قبول کیا، اس لئے کہ انہوں نے عقل وفہم سے بت پرستی کو شرک جانا اور اپنے عمل کو جہالت سمجھا اور اَنا کو دبا کر حق کو پہچان لیا تھا۔

اس لئے دعوتِ دین میں اصل چیز داعی کو اخلاق حسنہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا

تعارف اور پہچان کرواتے ہوئے دنیا کی حقیقت اور آخرت کو سمجھا کر دعوتِ ایمان دینا لازم اور ضروری ہے۔ ورنہ اگر ہم سو سال تک کسی مشرک معاشرے میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، پردہ کے پابند رہیں، شراب' زنا' سود' رشوت اور ناچ گانے باجے سے بچے رہیں اور بے ایمانی وظلم سے دور رہیں تو ان اخلاق کو دیکھ کر کوئی بھی شرک سے توبہ نہیں کرتا، اپنے عقیدہ کو نہیں بدلتا۔

موجودہ زمانے میں اکثر مسلمان اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، دوستی کرتے ہیں، ہوٹلوں میں ساتھ کھاتے ہیں، شادی بیاہ میں بلاتے ہیں، یا خود ان کی دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں، یہاں تک کہ عید ملاپ پارٹی کرتے ہیں، یا غیر مسلموں کی افطار پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں، لیکن ایمان سمجھا نہیں سکتے، نہ ایمان کی بات کرتے ہیں، اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا، ساتھ کھانا پینا، محبت سے گفتگو کرنا، عزت دینے کی حد تک ہی ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض غیر مسلم مسلمانوں کو دیکھ کر روزے بھی رکھتے ہیں، مگر انہیں بھی دعوتِ ایمان نہیں دیتے، اور احساس نہیں دلایا جاتا کہ ایمان کے بغیر یہ اعمال قبول نہیں ہوتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو ابولہب کی باندی نے آکر خوش خبری سنائی، اس نے خوش ہوکر آپ کی ولادت کی خوشخبری سنانے والی باندی کو آزاد کر دیا، مگر جب حضور ﷺ نے عقیدۂ ایمان اور توحید کی دعوت پیش کی تو وہ حقیقی سگا چچا ہونے کے باوجود سب سے بڑا دشمن اور مخالف بن گیا، جس کی دشمنی پر پر سورۂ لہب نازل ہوئی۔

ہندو مذہب کی کتابوں میں منو سمرتی کے نام سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ موجود ہے، جس کے معنٰی وہ خدا کا بیٹا یا نسل انسانی کا جد اعلیٰ کہتے ہیں، مگر مسلمان ساتھ رہنے کے باوجود غیر مسلموں کو ان کی زندگی کے بارے میں صحیح حالات سے واقف نہیں کرواتے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمان خود پیغمبروں کی دعوت کے مطابق صحیح عقیدہ ہی نہیں رکھتے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہوئے شرکیہ عقائد واعمال

کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے عقائد توحید اور شرک کا ملا جلا مربّہ ہیں، اس لئے وہ عقیدۂ ایمان کی دعوت میں کمزور ہیں، خود ایمان کی حقیقت سے نا آشنا ہیں، اس لئے دوسروں کے سامنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اسلام کو پیش کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک انسان لاکھوں کے درمیان رہتے ہوئے کب اپنے اخلاق سے ان کو متاثر کر سکے گا، کتنے انسانوں کو اپنے اخلاق سے واقف کروا سکے گا، کب واقف کروائے گا، اب تو پرنٹ میڈیا، ٹی وی اور یوٹیوب سے دعوت دینا بہت آسان ہو گیا ہے۔

دوسروں کو دعوتِ ایمان تو کیا دیتے' ایمان میں اتنے کمزور ہیں کہ دوسری قوموں کی نقالی جلد قبول کر لیتے ہیں، جس ملک میں رہتے ہیں وہاں اسلامی کلچر چھوڑ کر اس ملک کے کلچر کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، وہاں کے رسم و رواج اور طور طریقے اختیار کر لیتے ہیں، اور بہت سے مسلمان صحیح ایمان نہ ملنے کی وجہ سے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات والے ذہن کے ساتھ رہتے ہیں، برائے نام جسم کے نام سے مسلمان بنے رہتے ہیں یا مرتد بھی ہو جاتے ہیں، یا غیر مسلموں سے شادی کر لیتے ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہوئے نہ قول سے دعوت دیتے اور نہ فعل سے، نہ اعمالِ صالحہ کا مظاہرہ کرتے ہیں، حالانکہ غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کے اعمال اور اپنے اعمال کا فرق ظاہر کر کے کم سے کم عمل سے اسلام کو سمجھانا چاہئے، مگر دعوتی ذہن سے بہت دور ہیں، گفتگو میں ان سے زیادہ فحش گالی گلوج، بے حیائی، بے پردگی، بے ایمانی، ناچ گانا بجانا، جھوٹ بولنا، نماز نہ پڑھنا، بدعات و خرافات کا مظاہر کرتے ہیں، درگاہوں، چلّوں اور جھنڈوں سے عقیدت رکھ کر ان کو بھی ان کاموں کا عادی بناتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے ساتھ ملا کر رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا ہے۔

دوسری قومیں قرآن سے پہلے مسلمان کے اندر قرآن والے اعمال دیکھنا چاہتی ہیں، مگر اکثر مسلمان حضور ﷺ کے امتی ہو کر بھی شیطان کے نمائندہ بنے پھرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆